بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

تالیف

ڈاکٹر عبدالحفیظ سموں حفظہ اللہ

مقدمہ

فضیلۃ الشیخ مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کہاں ہے

تألیف

ڈاکٹر عبدالحفیظ سموں حفظہ اللہ

مقدمہ

فضیلۃ الشیخ مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

ناشر

مکتبۃ الدعوۃ السلفیۃ

میمن کالونی، ٹیاری ضلع حیدرآباد، سندھ۔

سلسلہ مطبوعات دعوۃ السّلفیہ : 35

نام کتاب	اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟
تالیف	فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالحفیظ سموں حفظہ اللہ
مقدمہ	مفتی اہل حدیث فضیلۃ الشیخ مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ
اشاعت اول	مارچ ۲۰۰۳ء بمطابق محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
قیمت	
کمپوزنگ	السند کمپوزرس۔ مکان نمبر 1102/B ہاشمی کالونی لطیف آباد نمبر 4 حیدرآباد (فون:812993)
مطبع	الجنت پرنٹنگ پریس کراچی (فون: 021-7729521)
ناشر	مکتبۃ الدّعوۃ السّلفیّۃ میمن کالونی ٹنڈو میاری۔ ضلع حیدرآباد فون: 0221-760531

حیدرآباد آفس

متصل مرکزی جامع محمدی مسجد اہل حدیث پکا قلعہ چوک حیدرآباد

فون: 617608-621378-616105(0221) فیکس: 621612(0221)

E-mail: arashidi@hyd.paknet.com.pk

سلسلہ مطبوعات دعوۃ السّلفیہ : 35

نام کتاب	اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟
تالیف	فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالحفیظ سموں حفظہ اللہ
مقدمہ	مفتی اہل حدیث فضیلۃ الشیخ مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ
اشاعت اول	مارچ ۲۰۰۳ء بمطابق محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
قیمت	
کمپوزنگ	السند کمپوزرس—مکان نمبر 1102/B ہاشمی کالونی لطیف آباد نمبر 4 حیدرآباد (فون:812993)
مطبع	الجنت پرنٹنگ پریس کراچی (فون:021-7729521)
ناشر	مکتبۃ الدّعوۃ السّلفیّۃ میمن کالونی ٹنڈوباری - ضلع حیدرآباد فون:0221-760531

حیدرآباد آفس

متصل مرکزی جامع محمدی مسجد اہل حدیث پکا قلعہ چوک حیدرآباد

فون:0221)616105-621378-617608) فیکس:0221)621612)

E-mail: arashidi@hyd.paknet.com.pk

فہرس

کلمة الناشر

الحمدللہ وحدہٗ ولا ندلہ ولا ضدلہ ولا مثال لہ ولا مثیل لہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلیٰ آلہ وصحبہٖ واھل طاعتہ اجمعین۔

اما بعد!

قارئین کرام! دورِ جدید فکری ونظری اعتبار سے تشکیک والحاد کا دور ہے، جو عالم کفر کے علاوہ پورے عالم اسلام میں بھی اپنی جڑیں گاڑ چکا ہے۔ انسانی دماغ نے جہاں انسانی زندگی کے متعلق نئے تصورات کو قبول کیا ہے، وہاں اس نے فطری عقیدہ سے ہٹ کر مصنوعی غیر اسلامی اور غیر فطری نظریات و افکار کو بھی لبیک کہا ہے۔ الحادی اور لادینی تحریکوں اور غیر اسلامی تعلیمی نظام نے مسلمانوں میں ایسی نسل تیار کردی ہے جو ایمانیات وعقائد کے ان مسلمہ اصولوں کا کھلے عام انکار کرتی ہے۔ تشکیک اور انکارِ الوہیت کا فتنہ عام ہوچکا ہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ انسان جدید علوم وفنون سے مسلح اور مزین ہونے کے باوجود حیوان سے بدتر ہوتا جارہا ہے۔ عجمی تصوف، خانقاہیت، پیر پرستی، قبور سجودی، اولیاء کی الوہیت، وحدت الوجود، وحدت الشہود، ہمہ اوست اور حلولیت لوگوں کے عقائد بن چکے ہیں۔

باطل پرستی کی ان تحریکوں نے ہر دور میں مختلف روپ دھار کر مسلمانوں کے عقیدۂ توحید پر وار کیے۔ کبھی انا الحق کا نعرہ لگایا تو کبھی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کا مظہر کہتے ہوئے نظریہ وحدت الوجود کی خباثت کو عام کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تو کبھی منصور حلاج اور کبھی ابن عربی کے روپ میں اس خبیث عقیدہ کی آبیاری کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے مجاہد علماء کرام پیدا کیے، جنھوں نے ہر میدان میں سیف ولسان کے ذریعے ان باطل تحریکوں اور عقائد ونظریات کا قلع قمع کیا۔ زیر نظر رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ یہ ہمارے نوجوان محقق ڈاکٹر عبدالحفیظ سموں حفظہ اللہ کے قلم کا ثمرہ ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر شیخ العرب والعجم علامہ سیّد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی مایۂ ناز عالمی شہرت یافتہ تصنیف ''توحید خالص'' موجود ہے، لیکن چونکہ ایک مختصر کتاب کی ضرورت تھی، الحمدللہ وہ پوری ہوگئی۔

میں محترم ڈاکٹر صاحب کا انتہائی مشکور ہوں، جنھوں نے ادارہ کو اپنی اس کاوش کو منظر عام پر لانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مفتی اہل حدیث فضیلۃ الشیخ مولانا مبشر احمد ربانی بھی لائق صد تحسین ہیں جنھوں نے اس کتاب پر نہایت بسیط و جامع علمی مقدمہ تحریر فرمایا جس سے کتاب کی افادیت کو مزید چار چاند لگ گئے۔ (جزاہ اللہ احسن الجزاء)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو لوگوں کے عقیدہ کی اصلاح اور مصنف اور ناشر کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

والسلام
خادم العلم والعلماء
عبدالرحمٰن میمن
مدیر
مکتبہ الدّعوۃ السّلفیہ
میمن کالونی مٹیاری

مٹیاری
۱۳-مارچ ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقدّمہ

مفتی اہل حدیث فضیلۃ الشیخ مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

تمام اعمال صالحہ، حسنات اور ابرار کا مدار عقائد صحیحہ پر ہے۔ جس شخص کا عقیدہ کتاب و سنت کی نصوص قاطعہ، دلائل ساطعہ اور براہین ظاہرہ کے مطابق ہے اس کی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد و قتال، صدقات و خیرات وغیرہا اللہ کے ہاں درجہ قبولیت پر فائز ہوجائیں گے۔ لیکن اگر عقیدہ فاسد ہوگیا تو تمام اعمال غارت و محبوط ہوجائیں گے۔ عقیدہ ایسے امر مبرم کا نام ہے جو معتقد کے دل میں ایسا راسخ و پختہ ہو کہ اس کے صحیح و راست ہونے میں کسی قسم کا تردد اور شک و شبہ نہ ہو۔ اسلامی عقیدہ کے لئے لازم ہے کہ وہ صرف قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کے دلائل و براہین سے مرصع ہو جو کسی قسم کی تاویل، تحریف قبول نہ کرے۔ عقائد اسلامیہ میں سے ایک اہم ترین عقیدہ توحید الاسماء والصفات ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات عالیہ اور اسماء حسنیٰ توقیفی ہیں اور کسی بھی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی ایسی صفت کو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں ذکر نہیں کی اور نہ ہی رسول مکرم ﷺ نے اسے بیان کیا ہے اور نہ ہی یہ حق کسی کو حاصل ہے کہ کتاب و سنت سے صفات ثابتہ کی نفی کرے۔ کیونکہ اسماء و صفات کے اثبات و نفی میں معیار صرف قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ ہیں۔ کسی شخص کی رائے اور فکر کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اپنی صفات کاملہ اور اسماء حسنیٰ کے ساتھ متصف اور ہر قسم کے نقص، کمی، کوتاہی اور لغزش سے مبرّا و منزّہ ہے۔ وہ اپنی صفات، تنزیہہ و تقدیس کی بنا پر تمام مخلوق سے بائن و جدا ہے۔ اس کی صفات عالیہ کا احصاء و شمار ناممکن ہے اور مخلوق کے احاطہ سے باہر ہے۔ اس کی صفات عالیہ میں سے علو و

ارتفاع اور استواء علی العرش بھی ہے اور وہ اپنے علم و قدرت کے ساتھ پوری کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اللہ کی ذات مقدسہ اوپر کی جانب ہے جس پر بے شمار قرآنی نصوص اور احادیث مقدسہ دلالت کرتی ہیں اور رسول مکرم ﷺ نے ایسے فرد کو مؤمن قرار دیا ہے جو اللہ کو اوپر کی جانب تسلیم کرتا ہے۔

سیدنا معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ نے رسول مکرم ﷺ سے اپنی لونڈی کو آزاد کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے لاؤ۔ جب وہ لونڈی رسول مکرم ﷺ کے ہاں آئی تو آپ نے اس سے سوال کیا: ''ایـــن اللہ؟'' اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: ''فـی السمـاء'' آسمان میں ہے۔ پھر فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: ''انت رسول اللہ'' آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

إنها مؤمنة فاعتقها[1]

''یہ ایمان والی ہے اسے آزاد کر دو۔''

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس سیاہ فام عجمی باندی لیکر آیا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یقیناً میرے ذمہ ایمان والی گردن آزاد کرنا ہے۔ آپ ﷺ نے اس باندی سے کہا: ایـــن اللہ؟ اللہ کہاں ہے؟ اس نے اپنی

---

[1] سنن النسائی: کتاب الصلاة باب الکلام فی الصلاة (۱۲۱۷)
صحیح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاة باب تحریم الکلام فی الصلاة: (۳۲۸۲) ابوداؤد کتاب الصلاة باب تشمیت العاطس فی الصلاة (۹۳۰) مسند احمد (۲۳۷۶۲) ۱۷۵/۳۹، ۱۷۶، الآحاد والمثانی (۱۳۹۸) ۸۲/۳، ۸۳، طبرانی کبیر: ۳۹۹/۱۹ (۹۳۹) ابن حبان (۱۶۵) (۲۲۴۷) المنتقی لابن الجارود (۲۱۲) ابن ابی شیبہ ۱۹/۱۱، ۲۰، ۳۳/۸، ۴۳۲/۲، مسند طیالسی (۱۱۵۰) نسائی کبریٰ (۱۱۴۱) ابو عوانہ (۱۷۲۷) الاسماء والصفات للبیھقی: ۴۲۲، التمھید ۷۹/۲۲-۸۰ کتاب التوحید لابن خزیمہ: ۲۷۸/۱، ۲۷۹، ۲۸۲، بیھقی: ۵۷/۱۰، المؤطا کتاب العتق والولاء باب ما یجوز من العتق فی الرقاب الواجبہ (۸) الرسالہ للشافعی فقرہ (۲۴۲) الإیمان لابی عبید (۸۴) شرح اصول اعتقاد اھل السنة للالکائی (۶۵۲) تحفة الأخیار بترتیب شرح مشکل الآثار (۳۱۲۴، ۳۱۲۵) خلق افعال العباد (۲۶)

شہادت والی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے اسے کہا: میں کون ہوں؟ اس نے اپنی انگلی سے اشارہ کر کے بتایا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے آزاد کر دو۔[1]

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اوپر تسلیم کیا جائے۔ تمام سلف صالحین اسی عقیدہ طاہرہ پر تھے۔ لیکن بعد میں ناخلف لوگ جو یونانی فلسفے سے متاثر و مرعوب ہوئے، انہوں نے صفات باری تعالیٰ کے انکار کی بنا پر اس کی صفت علوّ کا انکار کر ڈالا۔ کسی نے کہا وہ لا مکاں ہے، کسی نے کہا وہ ہر جگہ ہے، کسی نے کہا وہ ہر چیز میں ہے۔ ایسے ملحدین مؤولین نے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی صریح نصوص کی تاویلات فاسدہ کر کے آرائے کاسدہ کو جنم دیا۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور ضلوا فاضلوا کے مصداق ہوئے۔

بعض لوگوں نے اللہ کی ذات کے بارے میں ایسا سوال کرنے کو کفر قرار دے دیا۔ ان لوگوں نے یہ نہ سوچا کہ ایسا سوال تو خود رسول مکرم ﷺ نے کیا ہے اور اس کا جواب کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے، پا کر اس عقیدہ والے کو مؤمن قرار دیا ہے۔ تو کیا نعوذباللہ من ذالک اللہ کے رسول ﷺ پر بھی کفر کا فتویٰ عائد کیا جائے گا۔

قرآن حکیم میں بھی اللہ تعالیٰ کا آسمان پر ہونا مذکور ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ

”کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ جب یہ دعا کرتا ہے تو آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتا ہے، اوپر ہاتھ بلند کرتا ہے۔ مگر فلسفی موشگافیوں کے مارے ہوئے کبھی یوں کہتے ہیں کہ پھر مطلب یہ ہوا کہ وہ آسمان پر بیٹھا ہوا ہے، کیا وہ آسمان

---

[1] مسند احمد (۷۸۰۶) التوحید لابن خزیمہ: ۱/۲۸۴-۲۸۵، بیھقی: ۷/۳۸۸، ابوداؤد (۳۲۸۴) التمھید: ۹/۱۱۰، تحفۃ الاخیار (۳۱۲۲، ۳۱۲۳) اس کی سند مسعودی کے اختلاط کی وجہ سے کمزور ہے۔ لیکن اوپر ذکر کردہ صحیح حدیث اس کی شاہد ہے۔ جس کی وجہ سے یہ حسن ہے۔

میں رہتا ہے؟ اس طرح تو آسمان کا محتاج ہوا۔ حالانکہ سلف صالحین رحمہم اللہ اجمعین کے عقیدہ کے مطابق اللہ کے لیے وہ لفظ استعمال کرنا جائز نہیں جو اس نے خود اپنے بارے میں استعمال نہیں کیا، یا رسول اللہ ﷺ نے نہیں بتایا۔ یہ کس نے کہا ہے کہ وہ عرش پر بیٹھا یا کھڑا ہے؟ قرآن و حدیث سے اللہ تعالیٰ کا علو و ارتفاع اور بلندی کی جانب ہونا، عرش پر مستوی ہونا ثابت ہے۔ اس کی کیفیت و ہیئت کسی کو بھی معلوم نہیں۔ جیسی اس کی عظمت و جلالت اور شان کے لائق ہے وہ اسی طرح ہے اور وہ عرش یا علو و ارتفاع کا محتاج نہیں۔ بلکہ اس کے عرش پر ہونے کے باوجود عرش اس کا محتاج ہے اور اس نے آسمان و عرش کو تھاما ہوا ہے۔

مؤمن آدمی جب بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور کر کے اس سے مانگتا ہے، اسے اعتقاد جازم ہوتا ہے کہ اس کا پروردگار اوپر کی جانب ہے۔ اسے اپنے پروردگار سے تعلق جوڑنے میں کوئی الجھن نہیں ہوتی۔ مگر فلسفوں میں پھنسے ہوئے لوگ عجیب مخمصے کا شکار ہوتے ہیں وہ یہ فیصلہ ہی نہیں کر پاتے کہ ان کا پروردگار کہاں ہے، جس کی جانب وہ توجہ کر سکیں۔ اسلام کے سادہ اور فطری عقائد کے تارک ہو کر فلسفی بھول بھلیاں اختیار کرنے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ مجھے حیرانگی تو احناف پر ہے جو فقہی و فروعی مسائل میں امام ابو حنیفہ کی تقلید کا دم بھرتے تھکتے نہیں اور امام اعظم کے پر فریب نعرے میں عوام الناس کو اپنے دام تزویر میں پھنسانے کی تگ و دو میں ہیں۔ لیکن عقائد میں امام ابو حنیفہ سے مس نہیں کھاتے اور اشعری و ماتریدی ہونے میں فخر کرتے ہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں وہی مؤقف رکھتے ہیں جو سلف صالحین رحمہم اللہ اجمعین کا تھا۔ جیسا کہ صاحب ''تحفۃ الاعالی'' نے لکھا ہے:

(واختار امامنا الاعظم) أی اختار عدم التاویل مع وصف التنزیه حیث قال فی الفقه الاکبر وله ید و وجه ونفس کما ذکر الله فی القرآن من الوجه والید والنفس والعین فهو له صفات بلا کیف ولا یقال ان یده قدرته أو نعمه وان وجهه ذاته وعینه بصره

واستواءہ علی العرش استیلاءہ لان فیه ابطال الصفة وهو قول اهل القدر والاعتزال ولکن یدہ صفته بلا کیف وغضبه ورضاہ صفتان من صفاته بلا کیف.[1]

''ہمارے امام اعظم نے تنزیہہ کے وصف کے ساتھ عدم تاویل کا موقف اختیار کیا ہے۔ الفقہ الاکبر میں کہا ہے: اللہ کا ہاتھ، چہرہ اور نفس ہے جیسا کہ اللہ نے قرآن میں چہرے، ہاتھ، نفس اور آنکھ کا ذکر کیا ہے۔ یہ اس کی صفتیں کیفیت کے بغیر ہیں اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ید سے مراد اس کی قدرت یا نعمتیں ہیں اور چہرے سے مراد اس کی ذات اور آنکھ سے مراد اس کی بصارت ہے۔ استواء علی العرش سے مراد استیلاء (غلبہ) ہے، اس لیے کہ یہ صفت کا ابطال ہے اور یہ قدریوں اور معتزلیوں کا قول ہے لیکن ید (ہاتھ) اس کی صفت ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی ہے اور غضب و رضا بھی اس کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں ان کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔''

امام ابو حنیفہ کی طرف جو کتب منسوب ہیں، ان میں سے ایک ''الوصیۃ'' بھی ہے۔ اس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وقال فی الوصیة ثم نقر بان اللّٰہ تعالیٰ علی العرش استویٰ من غیر ان تکون له حاجة الیه واستقرار علیه وهو الحافظ للعرش وغیر العرش فلو کان محتاجا له لما قدر علی ایجاد العالم وتدبیرہ کالمخلوق ولو صار محتاجا الی الجلوس واستقرار فقبل خلق العرش این کان تعالی عن ذٰلک علوا کبیرا.[2]

''امام ابو حنیفہ نے الوصیۃ میں فرمایا: ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، حاجت و استقرار کے بغیر وہ عرش اور غیر عرش کا

---
[1] تحفة الاعالی: ۲۴ [2] تحفة الاعالی: ۲۴

حافظ ہے۔ اگر وہ عرش کا محتاج ہوتا تو مخلوق کی طرح عالم کی ایجاد و تدبیر پر قادر نہ ہوتا۔ اگر وہ جلوس و قرار کا محتاج ہوتا تو عرش کی تخلیق سے پہلے اسے علو و برتری کہاں حاصل تھی۔''

اسی طرح اس کتاب کے اسی صفحہ پر ہے کہ:

سئل الامام لاعظم عما ورد من أنه سبحانه ينزل من السماء فقال ينزل بلا كيف

''امام اعظم سے سوال کیا گیا کہ حدیث میں ہے کہ وہ آسمان سے نزول کرتا ہے تو انہوں نے کہا: کیفیت کے بغیر۔''

ان تصریحات سے واضح ہوگیا کہ امام ابو حنیفہ بھی صفات باری تعالیٰ میں تاویلات رکیکہ اور احتمالات فاسدہ کے قائل نہ تھے۔ جبکہ حنفی حنفی کی رٹ لگانے والے عقیدے میں امام ابو حنیفہ کے خلاف ہیں۔ ان سے پوچھا جائے عقیدہ اہم ہے یا فروع فقہیہ۔ اگر وہ اصول عقیدے میں امام نہیں تو فقہ و فروع میں امام اعظم کیسے بنا لیے گئے۔ یا تو عقیدہ بھی ان جیسا اپنا لو یا فقہ حنفی سے توبہ تائب ہوکر کتاب و سنت سے اپنا دامن وابستہ کرلو۔ حقیقت میں فقہ حنفی والے معجون مرکب ہیں معتزلہ و قدریہ، جہمیہ و مرجیہ اور رافضیہ کے عناصر خمسہ سے احناف کا وجود مرکب ہوا ہے۔ اعاذنا الله منه۔

بہر کیف صفات باری تعالیٰ میں اہل الحدیث ہی کا موقف کتاب و سنت اور سلف صالحین رحمہم اللہ اجمعین کے مطابق ہے۔ باقی لوگ کفریہ و بدعیہ افکار و عقائد کے حامل ہیں۔ الحاد و کج روی کا بہت بڑا عنصر ان میں سرایت کر چکا ہے۔ سلف کے اس موقف پر بے شمار ائمہ دین نے دلائل و براہین سے مزین کتب مرتب کی ہیں۔ اس موضوع پر امام ذہبی کی ''العلو'' اور برصغیر پاک و ہند میں علامہ وحید الزمان کی ''الانتهاء في الاستواء'' بڑی اہم ہیں۔ لیکن یہ دونوں کتب عربی زبان میں ہیں اور عوام الناس کے لیے ان سے استفادہ کرنا مشکل ہے۔ اللہ کریم جل مجدہ کا بہت

بڑا شکر ہے اس نے جمعیت اہل الحدیث سندھ کے ایک عظیم اسکالر، رفیع محقق، نوجوان عالم ڈاکٹر عبدالحفیظ سموں حفظہ اللہ کو ہمت و توفیق بخشی کہ انہوں نے آسان اردو زبان میں اس موضوع سخن پر قلم اٹھایا اور کتاب کو دلائل و براہین سے مرصع و مزین کردیا۔ قرآن و سنت کے دلائل کے ساتھ ساتھ سلف صالحین ائمہ محدثین رحمہم اللہ کا موقف بھی بڑے واشگاف الفاظ میں باحوالہ بیان کردیا۔ یہ کتاب اس موضوع پر معلومات کا گنجینہ اور براہین کا خزینہ ہے۔ اس نورانی کتاب میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے کتاب و سنت کے بحر ذخار میں غوطہ زن ہوکر عوام الناس کے لیے درآبدار اور گوہر نایاب اکٹھے کردیے ہیں۔ کتاب و سنت کے ازہار متناثرہ کی درخشانی وتابانی سے تقلید کے بحر عمیق میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے لئے مشعل راہ دے دی ہے۔ یہ کتاب ان شآء اللہ متلاشیان صداقت اور جویان حق کے لیے الحاد و بے دینی کے قعر مذلت سے نکلنے کے لیے منہاج عظیم مہیا کرے گی۔

ہماری دعا ہے کہ اس کتاب کو ہر گھر، ہر مکتب، ہر لائبریری، ہر مسجد، ہر مدرسہ اور ہر دفتر میں پہنچنا چاہیے اور مؤلف، ناشر، راقم اور ہر قسم کے معاون کے لیے توشہ آخرت اور ذریعہ نجات ثابت ہو اور ڈاکٹر صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ مزید قوت و ہمت بخشے کہ ان کی نوک قلم سے مزید ایسی کتب منصہ شہود پر آئیں جو خبط وخسران میں پڑے لوگوں کے لیے دلیل راہ بنیں اور ائمہ سلف کے مرواریدی سلسلے میں داخل ہونے کا معظم ذریعہ ہوں۔ آمین

اللہ ہمیں کتاب و سنت اور سلف صالحین کے منہج پر قائم و دائم رہنے کی توفیق بخشے اور عقیدہ صحیحہ اور عمل صالح پر ہماری موت آئے اور آخرت میں نبی کریم ﷺ کی رفاقت و شفاعت نصیب ہو۔ (آمین)

ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفی اللہ

۲۰۰۳/۲/۲۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

اما بعد!

عقیدہ کا ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مستویٰ عرش ہے۔ اس موضوع پر اردو میں علامہ سیّد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی کتاب "توحید خالص" ایک شاہکار کتاب ہے، جو اہل علم کے لئے ایک گرانقدر تحفہ سے کم نہیں۔ ضرورت تھی کہ عوام الناس کے لئے اس موضوع پر ایک سادہ انداز میں کتاب ہونی چاہیے۔ یہی سوچ اس کتاب کی تالیف کا سبب بنی۔ مجھے اپنی کم علمی کا بھرپور احساس ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ کتاب رقم کی۔ اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں یہ تو قارئین کرام ہی بتا سکتے ہیں۔

اگر اس کتاب کو پڑھنے کے بعد چند افراد نے بھی اپنا عقیدہ درست کیا تو اسے اپنی کامیابی سمجھوں گا۔

کتاب کی اشاعت کے لئے اپنے دیرینہ ساتھی اور دوست برادرم عبدالرحمٰن میمن مدیر مکتبۃ الدّعوۃ السّلفیۃ کا انتہائی ممنون ہوں۔ بھائی عبدالرحمٰن فرد واحد نہیں بلکہ اپنی ذات میں ایک ادارہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین متین کی اور زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں کامل صحت سے نوازے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس چھوٹی سی کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اس تصنیف کو میرے لئے اور میرے والدین و اہل و عیال کے لئے صدقہ جاریہ اور اُخروی نجات کا ذریعہ بنائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

۲۳ ذوالحجۃ ۱۴۲۳ھ - ۲۵ فروری ۲۰۰۳ء　　　العبد: ابو زید عبدالحفیظ سموں - بدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین و العاقبة للمتقین و الصلوٰۃ و السلام علی اشرف الانبیاء و المرسلین وعلی آلہٖ وصحبه و من اقتدی بهدیه الی یوم الدین.

اما بعد!

عقیدہ کا انتہائی اہم مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کہاں ہے؟ کچھ لوگ تو سرے سے ہی اس چیز کو ناجائز سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ سوال کیا جائے کہ وہ کہاں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال کرنا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ سنتِ رسول ﷺ ہے۔ آج جب یہ سوال کیا جاتا ہے تو عموماً تین طرح سے اس کا جواب دیا جاتا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ اس جواب کے قائلین ایک بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ ہمارے ہاں احناف حضرات عام طور پر اس عقیدہ کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، حتیٰ کہ اسکولوں کے اندر چھوٹے بچوں کو بھی یہ عقیدہ سکھایا جاتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندر موجود ہے۔ اس عقیدہ کو وحدۃ الوجود کہا جاتا ہے اور دنیا کے اندر صوفیاء اس غیر اسلامی اور گمراہ کن عقیدہ کے پرجوش حامی و وکیل رہے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں عموماً شعراء وحدۃ الوجود کے کٹر مبلغ رہے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی ذات مستویٔ عرش ہے اور اُس کا علم ہر جگہ ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے الگ ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس کے حاملین گو کہ موجودہ دوَر میں نسبتاً دوسرے عقائد کے حاملین سے کم ہیں، لیکن یہی وہ عقیدہ ہے جو قرآن کریم، احادیث نبویہ، صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور سلف صالحین سے ثابت ہے۔ کسی ایک صحابی، تابعی و تبع تابعی سے اس عقیدہ کے خلاف کوئی چیز منقول نہیں۔

اختلاف میں قرآن وحدیث کی طرف رجوع

ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام اختلافات میں قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس پر تمام صحابہ وسلف صالحین گامزن رہے ہیں اور یہی طریقہ ایک مسلمان کی نجات وفلاح کے لئے ناگزیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ[1]

''پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اُس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ إِلَى اللّٰهِ[2]

''اور جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو، اُس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے۔''

جب قرآن و حدیث کا فیصلہ آ جائے تو مومن بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اب اُس کے لئے کوئی راہِ فرار نہیں۔ اُسے ہر حال میں قرآن و حدیث کے آگے جھک جانا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا[3]

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو لائق نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو انہیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا۔''

---

[1] النساء: ۵۹ [2] شوریٰ: ۱۰ [3] الاحزاب: ۳۶

آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں اس مسئلہ کے متعلق کیا وضاحت موجود ہے۔

الاستواء علی العرش کے دلائل

سورۃ طٰہٰ میں ہے:

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی [1]

"رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔"

مندرجہ بالا آیت کے علاوہ قرآن کریم میں چھ اور مقامات ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کے مستویٔ عرش ہونے کا ذکر ہے۔[2]

سورۃ الاعراف میں ہے:

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ [3]

"بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے، جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔"

استویٰ کا مفہوم

قرآن کریم میں 'استویٰ' کا لفظ تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اگر کسی حرف سے متعدی نہیں ہے تو کمال و تمام کے معنی میں ہوگا، جیسا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسۡتَوٰۤی [4]

---

[1] طٰہٰ: ۵

[2] ملاحظہ کیجئے: الاعراف: ۵۴، یونس: ۳، الرعد: ۲، الفرقان: ۵۹، السجدہ: ۴، الحدید: ۴

[3] الاعراف: ۵۴

[4] القصص: ۱۴

اور اگر حرف "علیٰ" کے ذریعہ متعدی ہے تو "عَـلا" اور "اِرْتَفَعَ" (بلند ہونا) کے معنیٰ میں ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى [۱]

اور اگر "الـی" کے ذریعہ متعدّی ہے تو قصد کے معنی میں ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ [۲]

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کے معنی اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہوا یا مرتفع ہوا کرنا متعدد تابعین کرام سے منقول ہے۔ امام ابوالعالیۃ (المتوفی: ۹۰ یا ۹۳ھ) امام مجاہد (المتوفی: ۱۰۳ھ) امام حسن بصری (المتوفی: ۱۱۰ھ) الربیع بن انس (المتوفی: ۱۳۹ھ) رحمہم اللہ، ان میں سے چند نام ہیں۔ [۳]

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۸ھ) فرماتے ہیں:

سمعت غیر واحد من المفسرین یقول: الرحمن علی العرش استوی ای ارتفع [۴]

"میں نے کئی ایک مفسرین سے سنا کہ "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" کے معنی ہیں کہ رحمان عرش پر بلند ہوا۔"

یہی قول امام اللالکائی نے امام اسحاق بن راہویہ کے شیخ بشر بن عمر (المتوفی: ۲۰۶ھ) سے نقل کیا ہے۔ [۵]

امام ابن قیم (المتوفی: ۷۵۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ھذا بمعنی العلو والارتفاع باجماع السلف [۶]

---

۱ طٰہٰ: ۵

۲ تیسیر الرحمن لبیان القرآن ص ۳۰ ڈاکٹر لقمان سلفی

۳ حوالہ جات کے لئے دیکھئے: صحیح البخاری: ۱۲۷۶ طبع دارالسلام، جامع البیان للطبری: ۱/۲۲۸، الاسماء والصفات لابن تیمیۃ: ۲/۳۶۰-۳۶۱

۴ محاسن التاویل للقاسمی: ۷/۹۹

۵ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ: ۳/۴۴۰

۶ مختصر الصواعق المرسلۃ: ۴۸۸

''سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے کہ استویٰ کے معنی بلند اور اونچا ہونا ہے۔''

استویٰ بمعنی الاستیلاء

بعض لوگ جو کہ تاویل کے خوگر ہیں اس موقع پر بھی باز نہیں آئے اور استویٰ کے معنی میں تاویل کی ہے۔ مشہور حنفی عالم خلیل احمد سہارنپوری (المتوفی ۱۳۴۶ھ) جن کا تعلق دیوبندی مکتبہ فکر سے ہے، اپنی کتاب ''عقائد علماء اہل سنت دیوبند'' میں لکھتے ہیں:

''ہمارے متاخرین اماموں نے ان آیات میں جو صحیح اور لغت و شرع کے اعتبار سے جائز تاویلیں فرمائی ہیں، تاکہ کم فہم سمجھ لیں مثلاً یہ کہ ممکن ہے استواء سے مراد غلبہ ہو اور ہاتھ سے مراد قدرت، تو یہ بھی ہمارے نزدیک حق ہے۔''[1]

حالانکہ استویٰ کے معنی میں کوئی اختلاف نہیں، جیسا کہ اوپر حوالہ گزرا کہ سلف کا استویٰ بمعنی ارتفاع اور علو پر اجماع ہے۔ تاویل کرنے والے استویٰ کے معنی استولیٰ یا استیلاء سے کرتے ہیں، جس کے معنی ہیں: غالب آنا، قدرت پانا یا کسی چیز پر قبضہ پانا۔

حقیقت یہ ہے کہ استویٰ کے معنی استیلاء (غلبہ) کرنا، اہل لغت و سلف صالحین سے ثابت نہیں۔ امام ابن جوزی (المتوفی: ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

''استویٰ کے معنی استیلاء کرنا اہل لغت کے نزدیک منکر ہے۔''[2]

کلامِ عرب میں استویٰ غلبہ، استیلاء اور قہر کے معنی میں وارد نہیں ہوا۔ لغت کے امام ابوعبداللہ ابن الاعرابی (المتوفی: ۲۳۱ھ) سے ابن ابی داؤد نے سوال کیا کہ

---

[1] عقائد علماء اہل سنت دیوبند: ۴۸

[2] زاد المسیر: ۲۱۳/۳

کیا آپ عربی لغت میں استویٰ کے معنی استولیٰ کے جانتے ہیں؟
ابن الاعرابی نے جواب دیا:

لا اعرفه[1]

"میں نہیں جانتا۔"

علامہ شنقیطی (المتوفی: ۱۳۹۳ھ) نے استویٰ کی تاویل استیلاء کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"کچھ لوگوں نے استویٰ کی تاویل استولیٰ کے لفظ سے کی ہے وہ خواہش نفسانی کے تحت ہے جس کا کوئی ثبوت قرآن کریم یا سنت رسول ﷺ نص سے نہیں اور نہ ہی سلف صالحین میں کسی کا قول اس کی تائید میں ہے۔"[2]

لغت اور نحو کے امام خلیل بن احمد (المتوفی: بعد ۱۶۰ھ) سے پوچھا گیا کیا آپ نے لغت میں استویٰ بمعنیٰ استولیٰ پایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

هذا مالا تعرفه العرب ولا هو جائز فی لغتها[3]

"استویٰ کو استولیٰ کے معنیٰ میں عرب نہیں جانتے اور نہ ہی ان کی لغت میں یہ جائز ہے۔"

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"استویٰ کی تفسیر استیلاء سے کرنا اللہ تعالیٰ کے کلام کی مجرد رائے سے تفسیر ہے۔ یہ وہ تفسیر ہے جو کسی بھی صحابی، تابعی اور نہ ہی مسلمانوں کے کسی امام سے منقول ہے۔"[4]

---

[1] مختصر العلو: ۱۹۴، تاریخ بغداد: ۲۸۳/۵، اجتماع جیوش الاسلامیة: ۱۳۸، زاد المسیر: ۲۱۳/۳، مختصر الصواعق المرسلة ۴۸۹، شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة ۴۴۳/۳

[2] اضواء البیان: ۲۸۰/۷

[3] الأسماء والصفات لابن تیمیه: ۱۱۱/۲

[4] مختصر الصواعق المرسلة: ۴۹۰

امام ذہبی (المتوفی: ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

''ہم جانتے ہیں کہ اگر استویٰ کی کوئی تاویل ہوتی تو اس کو بیان کرنے کے لئے سب سے پہلے پہل صحابہ کرام اور تابعین کرتے۔''[1]

تحریف کی قبیح مثال

جن لوگوں نے استویٰ کی تاویل استولیٰ سے کی ہے، علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے ایسے لوگوں کو یہود کے مشابہ قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہود کو بیت المقدس میں داخل ہوتے ہوئے ''حِطَّةٌ'' کہنے کا حکم ہوا تھا لیکن انہوں نے 'نون' کا اضافہ کر کے اسے ''حِنْطَةٌ'' بنادیا جبکہ اہل تاویل نے لفظ 'استوی' میں 'لام' کا اضافہ کر کے اسے 'استولی' کردیا۔''[2]

اہل تاویل کی تردید

اہل تاویل نے استویٰ کے معنیٰ استولیٰ کے لئے ایک مجہول شعر سے استدلال کیا ہے وہ شعر اس طرح ہے:

قَدِ اسْتَوىٰ بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ
مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ أَوْ دَمٍ مُهْرَاقٍ[3]

''بشر، عراق پر تلوار اور خونریزی کے بغیر غالب ہوگیا۔''

اس شعر سے استدلال کئی وجوہ سے درست نہیں۔

اولاً: امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''کسی بھی صحیح نقل سے ثابت نہیں کہ یہ کسی عرب کا شعر ہو۔ کئی ایک

---

[1] مختصر العلو: ۱۴۲

[2] اضواء البیان: ۲۶۹/۷ - مزید دیکھئے: کتاب التوحید: لابن خزیمۃ ص ۱۰۱

[3] الصحاح للجوھری: ۱۷۳۵/۲

ائمہ لغت نے اس شعر کا انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ شعر بناوٹی ہے، لغت میں معروف نہیں۔ یہ چیز تو معلوم ہے کہ اگر کسی حدیث رسول سے استدلال کیا جائے تو اس کی صحت معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو پھر یہ چیز کس طرح ممکن ہے کہ ایسے شعر سے استدلال کیا جائے، جس کی سند بھی معلوم نہیں۔'' [1]

علامہ قاسمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۳۳۲ھ) فرماتے ہیں:

''یہ چیز یقینی ہے کہ یہ شعر بناوٹی ہے، بناوٹی ہے۔'' [2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ اور ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی اس شعر کا انکار کیا ہے۔ [3]

ہندوستان کے مشہور عالم سید امیر علی ملیح آبادی (المتوفی: ۱۳۳۷ھ) لکھتے ہیں:

''ابن فارس لغوی نے کہا کہ اس شعرِ مذکور کا کہنے والا معلوم نہیں کہ کون ناواقف شخص ہے اور اگر معلوم ہو تو بھی کچھ حجت نہیں کیونکہ جو مستولی نہ ہو اس کے مستولی ہو جانے پر ایسا بولتے ہیں اور یہاں صحیح نہیں ہے۔'' [4]

ثانیاً: لغت کے امام ابو عبداللہ ابن الاعرابی سے ایک شخص نے سوال کیا کہ: ابو عبداللہ! اللہ تعالیٰ کے قول الرحمٰن علی العرش استویٰ کے کیا معنی ہیں؟

ابن الاعرابی نے جواب دیا کہ: ''وہ (اللہ تعالیٰ) عرش پر ہے جیسا کہ اس نے خبر دی ہے۔'' اس شخص نے کہا کہ استویٰ کے معنی یہ نہیں ہیں، بلکہ اس کا معنی ہے کہ اللہ عرش پر غالب ہوا۔ ابن الاعرابی نے جواب دیا کہ: خاموش رہو! تمہیں کیا پتہ کہ اس کے معنی کیا ہیں۔

اَلْعَرَبُ لَا تَقُوْلُ لِلرَّجُلِ اسْتَوْلٰی عَلَی الشَّیْءِ حَتّٰی یَکُوْنَ لَهٗ فِیْهِ

---

[1] الاسماء والصفات: ۲/۱۱۱

[2] محاسن التاویل: ۷/۹۸

[3] مختصر الصواعق المرسلۃ: ۲۸۹، زاد المسیر: ۳/۲۱۳

[4] تفسیر مواہب الرحمان: ۳/۱۳۹-۱۴۰

مُضَادٌ فَأَيُّهُمَا غَلَبَ قِيلَ اسْتَوْلٰى وَاللّٰهُ تَعَالٰى لَا مُضَادَ لَهُ وَهُوَ عَلٰى عَرْشِهٖ كَمَا اَخْبَرَ ثُمَّ قَالَ وَالْاِسْتِيلَاءُ بَعْدَالْمُغَالَبَةِ[1]

''عرب استولی کسی شخص کے لئے صرف اس وقت کہتے ہیں جب اس کا کوئی مقابل ہو پھر جب بھی ان دونوں میں سے کوئی غالب آ جائے تو کہتے ہیں کہ ''استولی'' وہ غالب آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی مقابل نہیں وہ اپنے عرش پر ہے جیسا کہ اس نے خبر دی ہے۔ ابن الاعرابی کہنے لگے استیلاء غلبہ حاصل کر لینے کے بعد ہوتا ہے۔''

ثالثاً: کسی کو استیلاء (غلبہ) سے موصوف تب کیا جاتا ہے، جب وہ کسی چیز سے عاجز ہونے کے بعد اس پر قدرت حاصل کر لے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ہمیشہ سے اشیاء پر قادر اور غالب ہے۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ بشر کو عراق پر غلبہ سے موصوف کیا گیا ہے اس لئے کہ وہ اُس سے پہلے عراق پر غالب نہیں تھا۔[2]

رابعاً: اگر یہاں (یعنی اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى میں) استویٰ استیلاء کے معنی میں لیا جائے تو پھر کلام بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ زمین و آسمان اور عرش کے نیچے چپّہ چپّہ پر اس کے علم و قدرت کا احاطہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے صرف عرش کا ذکر ہی کیوں کیا ہے؟ عرش کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو ہر چیز پر غالب و قادر ہے۔[3]

خامساً: الاستیلاء (غلبہ) کے معنی حقیقت میں صرف اس وقت صحیح مانیں جائیں گے جب کسی کو، کسی چیز سے روکا جا رہا ہو۔ پھر جب وہ اُس چیز پر غالب آ جائے تو کہا جاتا ہے کہ ''اِسْتَولٰى عَلَيْهِ'' یعنی وہ اس پر غالب آ گیا۔ اب بتائیے کہ اللہ تعالیٰ کو عرش پر غالب آنے سے کون سی چیز مانع تھی؟ وہ کون تھا جو اللہ کو عرش پر غالب

---

[1] مختصر العلو: ۱۹۵، شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة: ۳/ ۴۴۲، تاريخ بغداد للخطيب: ۵/ ۲۸۴، الاسماء والصفات للبيهقي: ۲/ ۱۵۷

[2] اجتماع جيوش الاسلامية: ۹۱

[3] مختصر العلو: ۲۸۹ الابانة: ۱۲۰-۱۲۱ الرد على الجهمية للدارمي: ۳۴)

آنے سے روک رہا تھا؟[1]

سادساً: جو لوگ استویٰ کی تاویل غلبہ سے کرتے ہیں، اُن سے سوال کیا جائے گا کہ کیا اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کسی ایک مخلوق پر ایسا وقت بھی گذرا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس پر غالب نہیں تھا اور بعد میں غالب ہوا! پھر جب وہ جواب میں کہے کہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے اپنی مخلوق پر غالب ہے۔ اُس سے کہا جائے گا کہ پھر کوئی اگر یہ گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر غالب نہیں تھا تو وہ کافر ہے۔ اُس سے کہا جائے گا کہ تمہاری بات سے تو یہ لازم آتا ہے کہ عرش پر ایسا زمانہ بھی گذرا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس پر غالب نہیں تھا۔ یہ اس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے اُس نے عرش کو پیدا فرمایا، پھر زمین و آسمان کی تخلیق کے بعد وہ عرش پر غالب ہوا (یہاں ''غالب ہوا'' کے معنی اہل تاویل کی طرف سے کردہ معنی کے طور پر لئے گئے ہیں) یعنی زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے عرش پر ایسا دور بھی گذرا ہے کہ اللہ اُس پر غالب نہیں تھا۔''[2]

اللہ تعالیٰ کی صفات اور سلف صالحین کا مسلک

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کامل ہیں اور کسی بھی عیب یا نقص سے منزّہ و پاک ہیں۔ ایک مؤمن پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائی ہیں یا اللہ کے رسول ﷺ نے احادیث مبارکہ میں ذکر فرمائی ہیں، ان پر بغیر تحریف، تعطیل، تمثیل اور تکییف کے ایمان لائے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے شایان شان ہے اور متاخرین کی طرح تفویض سے بھی اجتناب کرے۔

تحریف: تحریف سے مراد ہے کہ اسماء و صفات کے معنی کو اصل سے بدل کر کسی ایسے مفہوم میں لیا جائے جس سے مراد بدل جاتی ہے۔ مثلاً: اللہ کے عرش پر مستوی

---

[1] مختصر الصواعق المرسلة: ۴۸۹

[2] محاسن التأویل للقاسمی: ۱۰۵/۷

ہونے کا مطلب بیان کیا جائے کہ اللہ عرش پر غالب ہے یعنی استوٰی کو استولیٰ سے بدل دینا۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا[1] یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، کو كَلَّمَ اللّٰهَ مُوسىٰ تَكْلِيمًا کر دینا یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔ اصل میں اللہ تعالیٰ کی ذات فاعل تھی، اُسے تحریف کر کے مفعول بنا دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں کیا، بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرُ[2]

''ہمارا پروردگار ہر رات دنیا کے آسمان پر نزول فرماتا ہے جب رات کا آخری تہائی باقی رہ جاتا ہے۔''

لیکن بعض لوگوں نے اس حدیث میں تحریف کرتے ہوئے اُس کے معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر رات نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف کرنا یہ یہود کی خصلت تھی جسے اس دور میں بعض گمراہ فرقوں نے اپنایا ہوا ہے۔

تعطیل: تعطیل سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کر دینا، اُن کا انکار کرنا، گمراہ فرقوں میں سے جہمیہ اور معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا۔ انہیں معطلہ کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار اس لئے کیا کہ اُن کے خیال میں اِس سے مخلوق سے مشابہت لازم آتی ہے، لیکن یہ ان کی جہالت ہے۔

اولاً: جب یہ صفات، اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے بیان کی ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ اُس کے مشابہ کوئی چیز نہیں، نہ ذات میں اور نہ صفات میں تو پھر مخلوق سے مشابہت کا بہانہ بنا کر اُن صفات کا انکار کرنا درحقیقت قرآن و حدیث کا انکار ہے۔

---

[1] النساء: ۱۶۴

[2] مسلم (۱۷۷۲)

خالق اور مخلوق کی صفات

ثانیاً: خالق اور مخلوق کی صفات میں نام کی مشابہت اور یکسانیت سے یہ چیز لازم نہیں آتی کہ دونوں کی صفات بھی ایک جیسی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''السمیع'' ہے یعنی سننے والا اور اللہ نے قرآن میں انسان کو بھی ''سمیع'' قرار دیا ہے۔[۱] لیکن کیا اللہ تعالیٰ کا سننا، انسان کے سننے کی طرح ہے؟

اللہ تعالیٰ کی صفت ''الحیّ'' (ہمیشہ زندہ رہنے والا)[۲] ہے اور انسان کے متعلق بھی حَیّ کا لفظ استعمال فرمایا۔[۳] اللہ کی صفت ''اَلْحَلِیْمُ''[۴] ہے اور اسماعیل علیہ السلام کو بھی ''حلیم''[۵] کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ''الجبار'' فرمایا اور انسان کو بھی ''جبّار''[۶] کہا۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مندرجہ بالا آیات میں انسان کی صفات بھی اُسی طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات۔ یقیناً نہیں تو پھر مخلوق سے مشابہت کا بہانہ بنا کر اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرنا کہاں کی عقلمندی اور دینداری ہے۔[۷]

خالق اور مخلوق تو کیا، خود مخلوق اور مخلوق کی صفات بھی نام میں مشابہت کے باوجود ایک جیسی نہیں، اُن میں بھی فرق ہے۔ دنیا میں بھی انار ہیں، انگور ہیں، پرندوں کا گوشت ہے اور جنت میں بھی انار، انگور اور پرندوں کا گوشت ہوگا۔ لیکن یہ دونوں قسم کی چیزیں مخلوق ہونے کے باوجود صفت میں کیا ایک جیسی ہیں؟

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت ہے کہ:

لَيْسَ فِي الْجَنَّةِ شَيْءٌ مِمَّا فِي الدُّنْيَا اِلَّا الْاَسْمَآءَ[۸]

---

[۱] الدھر: ۲ [۲] البقرہ: ۲۵۵ [۳] الروم: ۱۹

[۴] البقرہ: ۲۲۵ [۵] الصّٰفّٰت: ۱۰۱ [۶] غافر: ۳۵

[۷] مزید دیکھئے: منهاج السنة: ۲/۱۱۲–۱۱۳ طبع جديد

[۸] اخرجه البيهقي في البعث: ۱/۳۶۸ و ابونعيم في صفة الجنة: ۲/۲۱ والضياء في المختارة (۲/۱۹۸/۵۹) وسنده صحيح. انظر: الترغيب الترهيب: ۴/۵۲۰ وصحيح الترغيب والترهيب: ۳/۵۳۰، وسلسلة الاحاديث الصحيحة: ۵/۲۱۹ وصحيح الجامع (۵۴۱۰)

''دنیا کی چیزوں میں سے جنت میں ناموں کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہوگی۔ (یعنی صرف نام میں مشابہت ہوگی باقی ہر لحاظ سے مختلف ہونگی)''

جب مخلوق کی صفات بھی محض ہمنام ہونے کی وجہ سے یکساں نہیں تو خالق اور مخلوق کی صفات محض نام کی مماثلت کی وجہ سے کس طرح ایک جیسی ہوسکتی ہیں......؟[۱]

حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا منکر ہے اور اُن کی نفی کرتا ہے، اُس کا یہ عقیدہ ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر کے عقیدہ جیسا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو خطاب کر کے کہا تھا:

يَٰٓأَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ[۲]

''ابا جان تم کیوں عبادت کرتے ہو اُس کی جو نہ سُنے اور نہ دیکھے۔''

مومن تو اُس اللہ کی عبادت کرتا ہے جو سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔ جو کلام بھی کرتا ہے اور نزول بھی فرماتا ہے۔ لیکن اُس کا سننا، دیکھنا، کلام کرنا یا نزول فرمانا، مخلوق کی طرح نہیں۔ وہ اپنی تمام صفات میں یکتا اور بے مثال ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے صحیح فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کی تعطیل کرتے ہیں، ایسے معطلہ کا امام فرعون ہے۔[۳]

مذہبِ سلف

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اُمت کے سلف اور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایسی صفات سے موصوف کیا جائے جن صفات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے بیان فرمایا ہے اور جو صفات اللہ تعالیٰ کے لئے اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائیں ہیں، مگر بغیر تحریف، تعطیل، تکییف اور تمثیل کے۔

---

۱ ملاحظہ کیجئے: اضواء البیان: ۷/۲۷۶ ۲ مریم: ۴۲

۳ اغاثۃ اللھفان: ۲/۲۸۸

اہل سنت اللہ کے لئے وہ صفات ثابت کرتے ہیں جو اللہ نے اپنی ذات کے لئے ثابت فرمائی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی مخلوق کی صفات کے ساتھ مشابہت کی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کیلئے صفاتِ کمال ثابت کرتے ہیں اور اُس کی ذات کے متعلق مثالوں کی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو ہر عیب و نقص سے منزّہ قرار دیتے ہیں اور اِسی طرح تشبیہ اور تمثیل سے بھی پاک قرار دیتے ہیں۔ اللہ کی صفات کا اثبات بلا تشبیہ کرتے ہیں اور اُس کی ذات کو ہر عیب و نقص سے منزّہ قرار دیتے ہیں، مگر تعطیل سے بچتے ہوئے:
لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (اس جیسی کوئی چیز نہیں) میں ان لوگوں کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مشابہ قرار دیتے ہیں اور وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ[۱] (اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے) میں معطلہ کا رد ہے۔[۲]

معلوم ہوا کہ حق معطلہ اور مشبّہ کے درمیان ہے۔[۳]

امام نعیم بن حماد کا قول

امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ امام نُعیم بن حماد (المتوفی: ۲۲۸ھ) کا قول ہے:
''جس نے اللہ تعالیٰ کو اُس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی، اُس نے کفر کیا اور جس نے اُس صفت کا انکار کیا جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کے لئے بیان فرمائی ہے، یقیناً اُس نے کفر کیا، کیونکہ جو صفت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے بیان فرمائی ہے یا اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے لئے بیان کی ہے، اُس میں کسی قسم کی تشبیہ نہیں۔''[۴]

---

[۱] الشوریٰ: ۱۱ [۲] منهاج السنة: ۵۲۳/۲
[۳] مزید مطالعہ کے لئے دیکھئے: شرح العقيدة الطحاوية: ۵۲۰
[۴] سیر اعلام النبلاء: ۵۹۵/۹ مختصر العلو ص ۱۸۴

تمثیل: تمثیل یا تشبیہ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مشابہ قرار دیا جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے دنیاوی آسمان پر نزول کو، مخلوق کے نزول کی طرح مانا جائے۔ واضح رہے کہ جن صفات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ یا رسول اللہ ﷺ نے اللہ کو متصف قرار دیا ہے، اُس میں کسی قسم کی تشبیہ نہیں۔

امام اسحاق بن راہویہ (المتوفی: ۲۳۸ھ) فرماتے ہیں:

''تشبیہ تو تب ہوتی جب کوئی کہے کہ اللہ کا ہاتھ میرے ہاتھ جیسا ہے یا اللہ کا سمع میرے سمع کی طرح ہے، لیکن جب کوئی کہے کہ ہاتھ، سمع اور بصر لیکن اس طرح نہ کہے کہ اس کی کیفیت اس طرح ہے اور نہ ہی یہ کہے کہ فلاں کی طرح ہے تو اس میں تشبیہ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ [1] اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔'' [2]

تکییف: تکییف یا کیفیت کے معنی ہیں کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت بیان کرے، کیونکہ اس کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کی ذات مستویٔ عرش ہے۔ یہ چیز معلوم ہے لیکن استواء کی کیفیت کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

مشہور محدث امام ابوزرعہ الرازی (المتوفی: ۲۶۴ھ) سے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کی تفسیر کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ غضبناک ہو گئے اور کہا:

تَفْسِيرُهُ كَمَا تَقْرَأُ، وَهُوَ عَلٰى عَرْشِهِ وَعِلْمُهُ فِي كُلِّ مَكَانٍ، مَنْ قَالَ غَيْرَ هٰذَا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ [3]

''اس کی تفسیر وہی ہے جو تم قرأت کرتے ہو۔ وہ (اللہ) عرش پر ہے

---

[1] الشوری: ١١

[2] مختصر العلو ص ٦٩ – اجتماع جیوش الاسلامیۃ ص ١٢٧-١٢٨

[3] مختصر العلو ص ٢٠٣، محاسن التاویل للقاسمی ٧/٥

اور اس کا علم ہر جگہ ہے، جو اس کے علاوہ کچھ اور کہے اُس پر اللہ کی لعنت ہو۔"

سلف صالحین اس بات پر متفق ہیں کہ آیاتِ صفات جس طرح آئی ہیں، اُسی طرح انہیں قبول کیا جائے اور کیفیت پر بحث نہ کی جائے۔ ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام مالک بن انس اور لیث بن سعد رحمہم اللہ سے احادیثِ صفات کے متعلق سوال کیا۔ ان تمام نے جواب دیا:

اَمِرُّوهَا كَمَا جَآءَتْ بِلَا تَفْسِيْرٍ [1]

"انہیں ایسے ہی رکھو جس طرح آئی ہیں، بغیر تفسیر کے۔"

امام وکیع رحمہ اللہ کا قول ہے:

نُسَلِّمُ هٰذِهِ الْاَحَادِيْثَ كَمَا جَآءَتْ وَلَا نَقُوْلُ: كَيْفَ كَذَا وَلَا لِمَ كَذَا [2]

"ہم ان احادیث کو اسی طرح تسلیم کرتے ہیں جس طرح وہ آئی ہیں۔ ہم اس طرح نہیں کہتے کہ احادیث کس طرح ہیں اور کیوں ہیں۔"

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک یہ چیز معلوم ہے کہ سلف کا مذہب یہ ہے کہ آیات و احادیثِ صفات کو اُسی طرح قبول کیا جائے جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں، بغیر تاویل، تحریف، تشبیہ اور کیفیت کے۔ کیونکہ اللہ کی صفات میں کلام کرنا یہ فرع ہے اللہ کی ذات مقدسہ میں کلام کرنے کی۔ یقیناً مسلمان جانتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ حقیقت میں

---

[1] كتاب الشريعة للآجرى: ۲۷۸، التمهيد: ۳/۳۵۴، عقيدة السلف للصابونى: ۳۳، الحموية الكبرى: ۲۴، كتاب الصفات للدارقطنى: ۷۵، مختصر العلو: ۱۴۳، الاسماء والصفات للبيهقى: ۲/۱۹۸، شرح اصول اعتقاد اهل السنة: ۳/۵۸۲، مختصر جامع بيان العلم وفضله ص ۲۷۵، شرح السنة للبغوى: ۱/۱۷۱

[2] كتاب السنة: ۱/۲۶۷

موجود ہے اور اُس کی مثل کوئی نہیں، اسی طرح اللہ کی صفات بھی موجود ہیں اور اُن کی بھی کوئی مثل نہیں۔"[1]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بڑی گہری بات کہی ہے۔ کاش کہ تاویل کرنے والے اُس پر غور کریں۔ لکھتے ہیں:

"اگر تم سے کوئی پوچھے کہ اللہ کا نزول کس طرح ہوتا ہے اور کس طرح مستوی ہے، وہ کس طرح جانتا ہے اور کیسے کلام کرتا ہے اور کس طرح قدرت رکھتا ہے یا کس طرح تخلیق کرتا ہے؟ تو اُس کو جواب دو کہ وہ اپنی ذات میں کیسا ہے؟ وہ جواب دے کہ میں اللہ کی ذات کی کیفیت نہیں جانتا تو اُس سے کہو تو پھر میں اللہ کی صفات کی کیفیت نہیں جانتا، کیونکہ صفات کی کیفیت کا علم موصوف کی کیفیت کے تابع ہے۔"[2]

یعنی جب ہم اللہ کی ذات کی کیفیت نہیں جانتے تو اُس کی صفات کی کیفیت کس طرح جان سکتے ہیں۔ یہی بات امام صاحب نے تھوڑے سے فرق کے ساتھ الاسماء والصفات: ۵۰۳/۲ میں ذکر کی ہے۔[3]

امام خطابی رحمہ اللہ حدیث نزول پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس حدیث اور اسی طرح صفات کے متعلق دیگر احادیث کے متعلق سلف کا مسلک یہ ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے اور ان کو ان کے ظاہر پر رکھا جائے اور کیفیت کی نفی کی جائے۔"[4]

تفویض: تفویض کے معنی ہیں کہ صفات کے الفاظ تو بیان کئے جائیں لیکن الفاظ کے معنی بیان نہ کئے جائیں۔ ان الفاظ کے معنی و مفہوم پر غور و فکر اور تدبر نہ کیا جائے۔ تفویض کے قائلین اس مسلک کو سلف کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۶۱۶/۷-۶۱۸

[2] شرح حدیث النزول: ۶۹

[3] مزید دیکھئے: نقض المنطق: ۶

[4] الاسماء والصفات للبیهقی: ۱۹۸/۲

حقیقت یہ ہے کہ تفویض کے مذہب کو سلف کی طرف منسوب کرنا بے بنیاد ہے۔ **سبحانک هذا بهتان عظیم**.

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"زیادہ محتاط بات یہ نہیں ہے کہ صفات کے مسئلہ کو اللہ علاّم الغیوب کے سپرد کردیا جائے، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اُن صفات کو اپنے بندوں کے لئے کھول کھول بیان فرمادیا ہے۔ اپنی کتاب قرآن کریم اور اپنے رسولِ امین ﷺ کی زبانی ان کی وضاحت فرمادی ہے۔ ہاں! البتہ اللہ تعالیٰ نے صفات کی کیفیت کو بیان نہیں فرمایا۔ لہٰذا واجب یہ ہے کہ ان صفات کی کیفیت کے علم کو اللہ کے حوالے کردیا جائے نہ کہ اُن کے معانی کے علم کو۔ یہ تفویض مذہب سلف نہیں بلکہ یہ ایک نیا مذہب ہے جو سلف صالحین کے مذہب کے خلاف ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ اور سلف کے کئی اور ائمہ نے اہل تفویض کی اس بدعت کا انکار کیا ہے، کیونکہ ان کے مذہب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اس انداز سے خطاب کیا ہے کہ اُس کے معنی کو وہ نہیں سمجھتے اور اُس کی مراد کو وہ جانتے ہی نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ ایسا اندازِ بیان اختیار فرمائے۔ اہل سنت اللہ تعالیٰ کے کلام کی مراد کو جانتے ہیں، وہ اس کے اسماء و صفات کے تقاضے کے مطابق اس کی صفت بیان کرتے ہیں اور وہ اُسے ہر اُس چیز سے پاک سمجھتے ہیں جو اُس کی ذات گرامی کے شایان شان نہ ہو۔"[1]

معلوم ہوا اہل تاویل اور اہل تفویض دونوں کے مذہب کا سلف صالحین کے مسلک سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اختراع شدہ مسلک ہیں۔

مشہور حنفی عالم مولانا عبدالحی لکھنوی، اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں

---

[1] تنبیهات فی الرّد علی من تأوّل الصّفات ص ۹

پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس باب میں علماء کے چند مسلک ہیں:

۱- ایک مسلک تاویل کہ استواء بمعنی استیلاء و ید بمعنی قدرت و وجہ بمعنی ذات ہے وعلی هذا القیاس اور یہی مختار اکثر متاخرین متکلمین کا ہے۔

۲- دوسرا مذہب تشابہ فی المعنی وفی الکیفیة (یعنی معنی اور کیفیت متشابہ ہے)

۳- تیسرا مسلک معلوم المعنی متشابهة الکیفیة (یعنی معنیٰ معلوم ہے، کیفیت متشابہ ہے)۔[1]

اور آگے لکھتے ہیں:

''اور حق ان میں مسلک ثالث ہے۔''[2]

اسماء و صفات توقیفی ہیں

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات توقیفی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان اسماء و صفات سے موصوف قرار دیا جائے جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے بیان فرمائی ہیں یا جن کا ذکر اللہ کے رسول ﷺ نے کیا ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ اسماء و صفات کے معاملہ میں ہم اپنے آپ کو صرف قرآن و حدیث تک محدود رکھیں۔ نہ اُن میں اضافہ کریں اور نہ کمی۔ وجہ یہ ہے کہ ہماری عقل اس چیز کا ادراک نہیں کرسکتی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کون کون سے نام تجویز کئے جائیں۔ اس معاملہ میں رائے اور عقل کو کوئی دخل نہیں۔[2]

---

[1] مجموعة الفتاوی: ۱/۳۹ – مزید دیکھئے: الردود والتعقبات ص۶۷–۷۵، مجمل اعتقاد ائمة السلف: ۱۳۶–۱۳۸

[2] القواعد المثلی للشیخ محمد بن صالح العثیمین ص ۲۳۱
مجموع فتاوی لابن العثیمین: ۲/۵۹

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کسی کے لئے یہ حلال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ایسا نام تجویز کرے جو خود اللہ نے اپنی ذات کے لئے استعمال نہیں فرمایا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی ایسی صفت بیان کرے جس کی خبر اُس نے نہیں دی۔'' [۱]

ڈاکٹر شمس الدین رقمطراز ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے صرف وہ اسماء جائز ہیں جو کتاب وسنت میں وارد ہوئے ہیں۔'' [۲]

انتہائی افسوس ناک امر ہے کہ مسئلہ کی نزاکت کے باوجود ہمارے ہاں شعراء نے اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے نام تجویز کئے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ کی شان میں تنقیص لازم آتی ہے اور مخلوق سے مشابہت بھی۔ اسماء وصفات کے معاملہ میں یقینی اور قابل اعتماد ذریعہ صرف وحی ہے۔ اس لئے اُسی پر اکتفا کیا جائے۔ اسی میں ہماری نجات وکامیابی مضمر ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ اور صحابہ کرامؓ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اُمت کے سب سے افضل اور اعلیٰ افراد ہیں۔ اُن میں بھی صفات باری تعالیٰ کے موضوع پر کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ تَنَازَعَ الصَّحَابَةُ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْمَسَائِلِ الْاَحْكَامِ، وَهُمْ سَادَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَكْمَلُ الْاُمَّةِ اِيْمَانًا، وَلٰكِنْ بِحَمْدِاللهِ لَمْ يَتَنَازَعُوْا فِيْ مَسْأَلَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ مَسَائِلِ الْاَسْمَآءِ وَالصِّفَاتِ وَالْاَفْعَالِ [۳]

---

[۱] المحلی: ۱/۴۹-۵۰
[۲] الماتریدیۃ: ۲/۲۰۴
[۳] اعلام الموقعین: ۱/۴۹

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احکام کے کافی مسائل کے اندر ایک دوسرے سے اختلاف کیا، حالانکہ وہ مومنوں کے سردار ہیں اور اُس اُمت میں ایمان کے معاملہ میں سب سے زیادہ کامل ہیں، لیکن بحمداللہ اسماء و صفات اور افعال کے باب میں ایک بھی مسئلہ کے اندر اختلاف نہیں کیا۔"

ایک اور مقام پر امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام اور تابعین اس بات پر متفق تھے کہ آیات و احادیث صفات کا اقرار کیا جائے اور ان کے معنی کے فہم اور اُن کے حقائق کے اثبات کو قبول کرلیا جائے۔" [1]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں نے صحابہ کرام سے منقول تفسیر اور جو احادیث انہوں نے روایت کی ہیں، ان کا مطالعہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں چھوٹی اور بڑی سو سے زیادہ کتابوں کو کھنگالا ہے، لیکن اس گھڑی تک میں نے ایک مثال ایسی نہیں دیکھی کہ کسی صحابیؓ نے آیاتِ صفات یا احادیثِ صفات کی ایسی تاویل کی ہو جو مفہوم معروف کے مقتضا کے خلاف ہو۔" [2]

اس لیے جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا دم بھرتے ہیں اور ان کے نام پر تنظیمیں قائم کرتے ہیں، اُن کو چاہئے کہ صفات باری تعالیٰ کے موضوع اور خصوصاً "الاستواء علی العرش" کے موضوع پر اپنا موقف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف کے مطابق کریں۔

نوٹ: جب آپ احادیث مبارکہ کا مطالعہ کریں گے تو ایک حقیقت آپ پر واضح ہوگی کہ کافی ایسے مواقع آئے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احکام کی تشریح کے لئے

---

[1] مختصر الصواعق المرسلة: ۴۹

[2] مجموع الفتاویٰ: ۳۹۴/۶

رسول اللہ ﷺ سے سوال کیے لیکن صحابہ کرام نے کبھی بھی صفات کے معاملہ میں اللہ کے رسول ﷺ سے تشریح کا مطالبہ نہیں کیا۔

الاستواء علی العرش

الاستواء علی العرش یعنی اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پر استواء اُس کی شان، عظمت اور جلال کے شایان شان ہے۔ خالق کا استواء مخلوق کے استواء کی طرح نہیں۔ استواء کے معنی معلوم ہیں لیکن کیفیت مجہول ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیفیت سے آگاہ نہیں فرمایا، اس لئے کیفیت پر بحث نہیں کی جائے گی۔ ہم اللہ تعالیٰ کے مستوی عرش ہونے کا اقرار کرتے ہیں، اُس کا انکار نہیں کرتے اور نہ ہی اُس کے استواء کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ ہم نہ استواء کے معنی میں تاویل وتحریف کرتے ہیں اور نہ ہی کیفیت بیان کرتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ الاعراف کی آیت: ۵۴ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''ہم اس مقام پر سلف صالحین کا مسلک اختیار کرتے ہیں، مثلاً امام مالک، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام لیث بن سعد، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ اور ان کے علاوہ مسلمانوں کے اگلے اور پچھلے ائمہ کا۔ وہ مسلک یہ ہے کہ ایسی آیات صفات کو جس طرح وہ آئی ہیں، اُسی طرح رکھو بغیر کیفیت، تشبیہ اور تعطیل کے۔'' [1]

استواء علی العرش پر اعتراض

کچھ لوگ اہل الحدیث اور سلف صالحین کے عقیدہ پر طنز وتنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اللہ عرش پر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے!

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۹۵

کبھی کہتے ہیں کہ اس سے تو یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کا محتاج ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فلسفے کے مارے ہوئے یہ حضرات اپنی کم علمی اور دلائل کے میدان میں کم مایگی کو چھپانا چاہتے ہیں۔ یہ کس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں قرآن و حدیث سے اللہ تعالیٰ کا بلندی کی جانب ہونا اور عرش پر مستوی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اُس کی کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ وہ عرش کا محتاج نہیں بلکہ عرش پر ہونے کے باوجود خود عرش اللہ کا محتاج ہے۔

"کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آسمان زمین کے اوپر ہے لیکن آسمان زمین کا محتاج نہیں۔"[1]

اللہ کی مثال تو اس سے بہت بلند ہے۔

اجماعِ سلف

امام ابن قیم رحمہ اللہ، امام ابوعمر الطلمنکی (المتوفی: ۴۲۹ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اَجْمَعَ اَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ عَلٰى عَرْشِهٖ عَلَى الْحَقِيْقَةِ لَا عَلَى الْمَجَازِ[2]

"اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مجازی طور نہیں بلکہ حقیقتاً مستوی ہے۔"

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سلف صالحین میں سے کسی نے بھی اس بات کا انکار نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں عرش پر مستوی نہیں ہے۔ انہوں نے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا ہے کیونکہ کیفیت کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی۔"[3]

---

[1] شرح العقيدة الطحاوية: ۲۸۰

[2] الصواعق المرسلة: ۴۹۴

[3] الجامع لاحكام القرآن: ۷/۱۴۰-۱۴۱ صفوة التفاسير: ۲/۲۰۳

امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۷۹ھ) سے جب سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح عرش پر مستوی ہے تو آپ پسینے میں شرابور ہو گئے، پھر فرمایا:

اَلْاِسْتَوَاءُ مَعْلُوْمٌ، وَالْكَيْفُ مَجْهُوْلٌ، وَالْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ، وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ[1]

''استواء کے معنی معلوم ہیں لیکن کیفیت مجہول ہے۔ اس پر ایمان لانا واجب ہے اور کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔''

حافظ ابوعبداللہ بن بطہ (المتوفی: ۳۸۷ھ) اپنی کتاب ''الابانۃ'' میں لکھتے ہیں:

اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى عَرْشِهٖ فَوْقَ سَمٰوٰتِهٖ بَائِنٌ مِّنْ خَلْقِهٖ[2]

''صحابہ کرام ﷺ اور تابعین کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے، آسمانوں کے اوپر اور اپنی مخلوق سے جدا ہے۔''

امام ابونصر السجزی (المتوفی: ۴۴۴ھ) فرماتے ہیں:

''ہمارے ائمہ، سفیان ثوری، مالک، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، سفیان بن عیینہ، فضیل بن عیاض، عبداللہ بن مبارک، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے عرش کے اوپر ہے اور اُس کا علم ہر جگہ ہے۔''[3]

امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں:

اِجْمَاعُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ وَيَعْلَمُ كُلَّ شَيْءٍ فِي اَسْفَلِ الْاَرْضِ السَّابِعَةِ[4]

''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اور وہ ساتویں زمین کی تہ میں ہر چیز کو جانتا ہے۔''

---

[1] شرح حديث النزول: ۱۳۲
[2] الصواعق المرسلة: ۵۷۳ مختصر العلو: ۲۵۳
[3] مختصر العلو: ۲۶۶، مختصر الصواعق المرسلة: ۵۷۳
[4] مختصر العلو: ۱۹۴

تابعین و تبع تابعین کا عقیدہ

امام اوزاعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۵۷ھ) فرماتے ہیں:

كُنَّا وَالتَّابِعُوْنَ مُتَوَافِرُوْنَ. نَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ، فَوقَ عَرْشِهِ، وَنُؤْمِنُ بِمَا وَرَدَتْ بِهِ السُّنَّةُ مِنْ صِفَاتِهِ [1]

''ہم اور تابعین ہمیشہ سے کہتے تھے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے اور ہم اُس کی تمام صفات پر ایمان رکھتے ہیں جو کہ احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔''

مولانا عبدالحی لکھنوی اور اجماع سلف

مولانا عبدالحی لکھنوی (المتوفی: ۱۳۰۴ھ) اس اثر کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ اپنے کلام کو جملۂ حالیہ سے اس لئے مقید کیا، یعنی ''والتابعون متوافرون'' کہا کہ اس بات کا وہم نہ ہو یہ عقیدہ تابعین میں پیدا ہوگیا تھا۔ پس جبکہ اس قول سے یہ ثابت ہوگیا کہ یہ عقیدہ تابعین اور تبع تابعین کا عقیدہ ہے اور ان کا اختلاف اس بارے میں ثابت نہیں ہے تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ صحابہ کا بھی عقیدہ تھا کیونکہ وہ عقائد واعمال میں صحابہ ہی سے اخذ کیا کرتے تھے۔ پس اجماع پالیا گیا۔'' [2]

امام عثمان بن سعید الدارمی (المتوفی: ۲۸۰ھ) لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کا کلام اس بارے میں متفق ہے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے اور اس کا عرش آسمانوں سے اوپر ہے۔'' [3]

---

[1] مختصر العلو: ۱۳۷، اجتماع جیوش الاسلامیۃ: ۲۱، مختصر الصواعق المرسلۃ: ۵۶۷، سیر اعلام النبلاء: ۷/۹۵

[2] مجموعۃ الفتاوی: ۱/۵۲

[3] مختصر العلو: ۲۱۳، الرد علی البشر المریسی ص ۲۵

امام ابوعثمان الصابونی (المتوفی: ۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

''اصحاب الحدیث کا یہ عقیدہ ہے اور وہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں سے اوپر عرش پر ہے جیسا کہ اس کی کتاب (قرآن کریم) سے ظاہر ہے اور سلف کے ائمہ و اعیان امت اس میں مختلف نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اُس کا عرش ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے۔'' [۱]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں یہ بھی شامل ہے کہ ہر اس چیز پر ایمان لایا جائے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے یا اس کے رسول اللہ ﷺ سے متواتر ثابت ہے اور جس پر سلفِ امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر عرش پر ہے اور وہ اپنی مخلوق سے جدا اور الگ ہے۔'' [۲]

مشہور تبع تابعی امام عبداللہ بن مبارک (المتوفی: ۱۸۱ھ) فرماتے ہیں:

نَعْرِفُ رَبَّنَا بِاَنَّهُ فَوْقَ سَبْعَ سَمَاوَاتِهِ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوىٰ بَائِنٌ مِن خَلْقِهِ وَلَا نَقُوْلُ كَمَا قَالَتِ الْجَهْمِيَّةُ اِنَّهُ هَاهُنَا وَاَشَارَ اِلَى الْاَرْضِ [۳]

''ہم اپنے رب کو اس طرح جانتے ہیں کہ وہ سات آسمانوں سے اوپر عرش پر مستوی ہے، وہ اپنی مخلوق سے جدا ہے اور ہم اس طرح نہیں کہتے جس طرح جہمیہ کہتے ہیں کہ وہ (اللہ) یہاں ہے (یعنی زمین میں) اور زمین کی طرف اشارہ کیا۔''

---

[۱] مختصر العلو: ۲٦۵، عقیدة السلف: ۱۲

[۲] العقیدة الواسطیة: ۸۸

[۳] عقیدة السلف للصابونی: ۱۵، شرح حدیث النزول: ۱۸۹، اجتماع جیوش الاسلامیة: ٦۳ الصواعق المرسلة: ۵٦۸، مختصر العلو: ۱۵۱، سیر اعلام النبلاء: ۷/۲۱۷–۲۱۸، الاسماء والصفات للبیهقی: ۲/۱٦۹–۱۷۰)

مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

''پس جب کہ اجماع ثابت ہوگیا ہم پر اس کی اتباع فرض ہے اور مخالفت جائز نہیں ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا علوّ

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے اپنی تمام تر مخلوق سے اوپر اور بلند ہے۔

ملائکہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ[2]

''اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمان باری تعالیٰ ہے:

أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا[3]

''کیا تم اس (اللہ) سے بے خوف ہوگئے ہو جو آسمان میں ہے کہ تم پر پتھر برسادے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات آسمانوں سے اوپر ہے اگر وہ ذات کے لحاظ سے ہر جگہ ہوتا تو پھر قرآن میں اس طرح بھی ہوتا کہ کیا تم اس اللہ سے بے خوف ہوگئے ہو جو زمین میں ہے۔ زمین کو چھوڑ کر خاص آسمان کا ذکر فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مستوی عرش ہے۔

نوٹ: بعض لوگ قرآن کی آیات: وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ[4] اور وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ[5] سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین میں بھی ذات کے لحاظ سے ہے لیکن یہ استدلال درست نہیں۔

اولاً: عام مفسرین ان آیات کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین و

---

1. مجموعة الفتاوىٰ: ۱/۵۳
2. النحل: ۵۰
3. الملک: ۱۷
4. الانعام: ۳
5. الزخرف: ۸۴

آسمان میں معبود ہے۔

ثانیاً: یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ وہ زمین اور آسمان کی تدبیر میں اکیلا ہے۔[1]

ثالثاً: وہ اللہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں تمہارے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔[2]

ہاں! البتہ استواء کی کیفیت معلوم نہیں کیونکہ وہ چیز انسانی عقل کے ادراک سے دور ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

تَفَكَّرُوْا فِي آلَاءِ اللهِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي اللهِ[3]

"اللہ کی نعمتوں میں غور کرو اور اللہ کی ذات میں غور وفکر مت کرو۔"

نوٹ: سورۃ الملک کی آیت میں مذکور "في" کے معنی "علی" (اوپر) کے ہیں۔ خود قرآن کریم میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔[4]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

اِرْحَمْ مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكَ مَنْ فِي السَّمَآءِ[5]

"جو زمین میں ہیں تم ان پر رحم کرو تو وہ جو آسمان میں ہے تم پر رحم فرمائے گا۔"

یہ حدیث بھی اپنے مقصد میں واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر مستوی ہے اگر وہ ذات کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہو تو پھر محض آسمان کا ذکر بے فائدہ ہو جاتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو مرد اپنی بیوی کو بستر پر بلاتا ہے اور وہ انکار کر دیتی ہے تو جو آسمان میں ہے وہ ناراض ہو جاتا ہے جب تک کہ وہ مرد اُس سے راضی نہ ہو جائے۔"[6]

---

[1] زاد المسیر ۴/۳ [2] زاد المسیر: ۴/۳، فتح القدیر: ۱۱۵/۲

[3] صحیح الجامع الصغیر: ۲۹۷۵ [4] دیکھئے: طٰہٰ: ۷۱، التوبۃ: ۲

[5] اخرجه الحاكم (۷۷۰۲) والحديث صحيح بشواهده صحيح الجامع (۸۹۶)

[6] مسلم (۳۵۴۰)

تشریح: یہ حدیث بھی مقصد میں واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات آسمانوں کے اوپر عرش پر مستوی ہے۔

علوّ کا انکار اور فرعون

اللہ تعالیٰ کے علو اور فوقیت کا انکار کرنا فرعون کا طریقہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو بلا کر کہا:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا [1]

"اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت بنا، شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں اور موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں اور بیشک میں سمجھتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کا تعارف کراتے ہوئے فرعون سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو آسمانوں سے اوپر ہے۔[2]

امام عثمان بن سعید الدارمی (المتوفی: ۲۸۰ھ) مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فَفِي هٰذِهِ الْاٰيَةِ بَيَانٌ بَيِّنٌ وَ دَلَالَةٌ ظَاهِرَةٌ اَنَّ مُوْسٰى كَانَ يَدْعُوْ فِرْعَوْنَ اِلٰى مَعْرِفَةِ اللهِ بِاَنَّهٗ فَوْقَ السَّمَآءِ [3]

"اس آیت میں واضح بیان اور ظاہر دلالت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف اس طرح بلاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آسمان کے اوپر ہے۔"

ابن ابی العز حنفی (المتوفی: ۷۹۲ھ) شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں لکھتے ہیں:

---

[1] المؤمن: ۳۶-۳۷

[2] کتاب التوحید لابن خزیمۃ: ۱۱۵، التمہید ۳/ ۳۴۱، اجتماع جیوش الاسلامیۃ: ۴۲، شرح العقیدۃ الواسطیۃ: ۵۹

[3] الرد علی الجہمیۃ: ۳۷

''جہمیہ (گمراہ فرقہ) میں سے جس نے اللہ تعالیٰ کے علو کا انکار کیا وہ فرعونی ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے علو کا اثبات کیا، وہ موسوی و محمدی ہے۔''[1]

تحویل قبلہ کی مثال

مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سولہ یا سترہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔[2] لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی تمنا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بیت اللہ کو قبلہ مقرر فرمادے۔ آپ اپنی اس تمنا کا اظہار کس طرح کرتے تھے؟ قرآن کریم نے ہمیں اُس سے آگاہ فرمایا ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا[3]

''ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اُٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اب ہم آپ کو اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے آپ خوش ہوجائیں۔''

اس آیت سے بھی یہ حقیقت واضح ہوئی کہ وحی کا نزول اوپر سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بھی اوپر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کو اوپر کی طرف دیکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

ملائکہ، پانی اور کتابوں کا نزول

قرآن کریم میں کئی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں، کتابوں اور پانی کے نزول کا ذکر ہے۔ واضح رہے کہ نازل ہونے کا مقصد ہے اوپر سے نیچے کی طرف آنا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اوپر اور بلند ہے کیونکہ ان سب کو نازل

---

[1] شرح العقيدة الطحاوية: ۲۸۷

[2] اخرجه البخاري(۴۰)

[3] البقرة:۱۴۴

کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

۱- ملائکہ کا نزول:

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ [۱]

''اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام تمام ہوگیا ہوتا، پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی۔''

۲- کتابوں کا نزول:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ [۲]

''تحقیق ہم نے تیری طرف حق سے کتاب نازل کی ہے۔''

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ [۳]

''بیشک ہم نے تورات کو نازل فرمایا جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔''

۳- پانی کا نزول:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا [۴]

''اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا۔''

اعمال وغیرہ کا اللہ کی طرف اوپر چڑھنا

قرآن کریم میں اعمال صالحہ کے متعلق یہ تصریح موجود ہے کہ وہ اوپر چڑھتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے لوگوں کے ساتھ ہے تو پھر اعمال اور پاک کلمہ اوپر کیوں چڑھتے ہیں؟ [۵]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ [۶]

''پاکیزہ کلمات اُسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل ان کو بلند کرتا ہے۔''

---

۱ الانعام: ۸ ۲ النساء: ۱۰۵
۳ المائدہ: ۴۴ ۴ الفرقان: ۴۸
۵ تأویل مختلف الحدیث لابن قتیبة: ص۲۴۸ ۶ فاطر: ۱۰

عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ [1]

"جس وقت اللہ تعالیٰ نے کہا اے عیسیٰ تحقیق میں تجھ کو لینے والا ہوں اور تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ [2]

"اور اُس کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔"

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں سے اوپر عرش عظیم پر مستوی ہے۔ اگر وہ ہر جگہ پر موجود ہوتا تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھانے کا کیا مقصد ہے؟

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ [3]

"آسمان سے زمین کی طرف کام کی تدبیر کرتا ہے پھر (وہ کام) اس کی طرف چڑھ جاتا ہے ایک دن میں، جس کا اندازہ تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔"

واقعہ معراج

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے معراج پر جانا بھی اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور اُس نے اپنے پیارے پیغمبر کو معراج کے لئے اوپر بلایا۔ اگر اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ معراج کے لئے اوپر کیوں تشریف لے گئے......؟

---

[1] آل عمران:۵۵

[2] النساء:۱۵۷-۱۵۸

[3] السجدۃ: ۵

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں:

''احادیث میں واضح دلالت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دنیا سے ساتویں آسمان تک لے جایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر نمازیں فرض کیں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خالق کائنات ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے۔ اس طرح نہیں کہ اللہ تعالیٰ گھروں اور جھونپڑیوں میں ہے جس طرح معطلہ کا زعم ہے۔'' [1]

امام عثمان بن سعید الدارمی لکھتے ہیں:

''اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ پر ہوتا جیسے یہ لوگ (جہمیہ وغیرہ) خیال کرتے ہیں تو پھر اسراء، بُراق، معراج بے معنیٰ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو کس کی طرف اوپر لے جایا گیا جبکہ تمہارے باطل گمان میں اللہ تعالیٰ تو آپ ﷺ کے ساتھ ان کے گھر میں تھا۔'' [2]

فرشتوں کا اوپر چڑھنا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے رہتے ہیں اور نماز فجر اور نماز عصر میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے جو رات کو تمہارے پاس تھے وہ چڑھ جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے: کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ جب ہم نے اُن کو چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ [3]

---

[1] کتاب التوحید: ۱۱۹

[2] الرد علی الجهمية: ۵۶-۵۷

[3] بخاری: (۵۵۵) مسلم (۱۴۳۲)

اس حدیث میں بھی واضح طور پر ملائکہ کے اوپر چڑھنے کا ذکر ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

فطرتِ انسانی کا تقاضا

انسانی فطرت کا بھی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی تمام مخلوق سے بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ دُعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ہاتھ ہمیشہ آسمان کی طرف اوپر اٹھتے ہیں اور نظریں بھی اوپر آسمان کی طرف جمی ہوئی ہوتی ہیں۔ دُعا مانگتے ہوئے نہ اُس کے ہاتھ آگے کی طرف جاتے ہیں نہ دائیں اور نہ بائیں اور نہ نیچے، حتیٰ کہ وہ لوگ جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے ہر آدمی کے ساتھ ہے، وہ بھی دعا کے دوران ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھاتے ہیں۔ نماز میں سجدہ کے دوران انسان کہتا ہے:

سبحان ربی الاعلیٰ

''پاک ہے میرا پروردگار جو بلند ہے''

کبھی بھی اُس نے یہ نہ کہا:

ربی الاسفل [1]

''میرا رب نیچے ہے''

سبحانہ وتعالیٰ عما یصفون

شیخ ابو جعفر ہمدانی اور امام الحرمین کا واقعہ

محمد بن طاہر مقدسی بیان کرتے ہیں کہ شیخ ابو جعفر ہمدانی (المتوفی: ۵۳۱ھ) ایک مرتبہ عبدالملک بن ابی محمد الجوینی (المتوفی: ۴۲۸ھ) جو کہ امام الحرمین کے نام سے مشہور ہیں، اُن کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت امام الحرمین، اللہ تعالیٰ کی

---

[1] الرد علی الجھمیة للدارمی: ص۳۷

صفت علو کی نفی میں بحث کر رہے تھے۔ امام صاحب کہہ رہے تھے: ''اللہ تعالیٰ تھا اور عرش نہ تھا اور وہ اب بھی اُسی طرح ہے جیسا کہ پہلے تھا۔'' شیخ ابوجعفر کہنے لگے کہ استاد! ہمیں اُس طلب اور خواہش کے بارے میں بتائیں جو ہم اپنے دلوں کے اندر پاتے ہیں۔ جب بھی کوئی عارف ''یا اللہ'' کہتا ہے تو اُسی وقت اُس کے دل کے اندر ایک خواہش موجود ہوتی ہے جو اُسے بلندی کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ نہ وہ دائیں طرف التفات کرتا ہے اور نہ بائیں طرف۔ ہم اِس خواہش اور طلب کو اپنے دلوں سے کیسے ختم کریں؟ امام الحرمین اپنے سر کو پیٹنے لگے اور مسند سے نیچے اُتر آئے اور رونے لگے۔ امام صاحب کہنے لگے: ''ہمدانی نے مجھے حیران کردیا، ہمدانی نے مجھے حیران کردیا۔'' امام الحرمین کا مقصد تھا کہ یہ ایسا معاملہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کا بلند ہونا) کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس فطرت پر پیدا کیا ہے حالانکہ بندوں نے یہ چیز انبیاء سے نہیں سیکھی۔[1]

شیخ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔[2]

بعض غالی لوگ جو اللہ تعالیٰ کی صفت علو کے منکر ہیں، وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ اوپر ہے اور نہ نیچے، نہ وہ دائیں ہے اور نہ بائیں، نہ آگے ہے نہ پیچھے، نہ وہ عالم میں داخل ہے اور نہ اُس سے خارج۔ کچھ فلاسفہ مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ نہ عالم سے ملا ہوا ہے اور نہ اُس سے الگ ہے۔ درحقیقت یہ تعطیل مطلق ہے۔ بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ ہے ہی نہیں۔ سلطان محمود غزنوی (المتوفی:۴۲۱ھ) کے سامنے جب ایک آدمی نے اللہ تعالیٰ کی صفت اس طرح بیان کی تو سلطان نے اُس سے کہا مجھے تم ایسے رب (جس کی صفت تم نے بیان کی ہے) اور معدوم (جو موجود ہی نہیں) کے درمیان فرق کرکے دکھلاؤ۔[3]

---

[1] شرح العقیدة الطحاویة: ۲۹۱، اجتماع جیوش الاسلامیة: ۱۴۲، سیر اعلام النبلاء: ۲۰/۱۴، مختصر العلو ص۲۷۶-۲۷۷

[2] مختصر العلو: ص۲۷۷

[3] مختصر العلو ص۵۴، ۱۴۶-۱۴۷

شیطان کا انسان پر حملہ

اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس کو جنت سے ذلیل کر کے نکالا تو ابلیس نے اس بات کا اعلان کیا کہ وہ انسانوں پر چاروں طرف سے حملہ آور ہوگا۔
قرآن کریم میں ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ [1]

”ابلیس نے کہا بسبب اس کے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا، پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور تو ان کے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔“

صحابی رسول عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے تھے:

لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَّقُوْلَ: مِنْ فَوْقِهِمْ عَلِمَ اَنَّ اللهَ مِنْ فَوْقِهِمْ [2]

”ابلیس یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکا کہ میں ان پر اوپر سے حملہ کروں گا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر ہے۔“

اس تفسیر سے بھی اللہ تعالیٰ کا علو اور فوقیت ثابت ہوتی ہے۔

مؤمن کی علامت

معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میری ایک لونڈی تھی، میری بکریاں چراتی تھی۔ ایک دن ایک بھیڑیا ریوڑ میں سے ایک بکری کو اٹھا کر لے گیا۔ معاویہ

---

[1] الاعراف: ۱۶-۱۷
[2] شرح اصول اعتقاد اھل السنة والجماعة: ۳/ ۴۴۰

بن حکم رضی اللہ عنہ نے غصہ میں آ کر لونڈی کو تھپڑ رسید کر دیا۔ انہیں اس کا افسوس ہوا اور ارادہ کیا کہ اس لونڈی کو آزاد کر دیں۔ حدیث میں ہے کہ جو آدمی اپنے غلام کو بغیر قصور مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دے۔[1]

معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چل کر آئے اور کہا کہ: کیا میں اس لونڈی کو آزاد نہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس لونڈی کو میرے پاس لے آ (تا کہ پتہ چلے کہ اس عورت کا ایمان وعقیدہ درست بھی ہے یا نہیں) جب وہ لونڈی رسول اللہ ﷺ کے یہاں پہنچی تو آپ ﷺ اس عورت کے عقیدہ کا امتحان لیتے ہیں۔ اس امتحان یا ٹیسٹ کے لئے آپ ﷺ نے صرف دو سوالوں کا انتخاب کیا۔ پہلا سوال اس طرح کرتے ہیں: ”اَیْـنَ اللّٰہُ؟“ (اللہ کہاں ہے؟) لونڈی نے جواب دیا: ”فِـی السَّمَـآءِ“ (اللہ آسمان میں ہے) آپ ﷺ نے دوسرا سوال کیا۔ ”مَنْ أَنَـا“ (میں کون ہوں؟) لونڈی نے جواب دیا: ”اَنْـتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ“ (آپ اللہ کے رسول ہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَعْـتِـقْـهَا فَـاِنَّـهَـا مُـؤْمِـنَـةٌ[2]

”(معاویہ) اس عورت کو آزاد کر دو یہ تو مومنہ عورت ہے۔“

حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ یہ سوال کرنا کہ ”اللہ کہاں ہے“ یہ خود رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اور سنت ہے۔ اگر یہ سوال غلط ہوتا یا غیر شرعی ہوتا تو کس طرح ممکن ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ یہ سوال کریں!!

حدیث سے اس بات کا بھی ثبوت ملا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی تمام تر مخلوقات سے اوپر اور بلند ہے اور آسمانوں سے اوپر عرش پر مستوی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے ہر جگہ ہوتا یا ہر آدمی کے ساتھ ہوتا تو آپ اس لونڈی کو ٹوک دیتے اور فرماتے کہ کیا کہتی ہو! اللہ تو ہر جگہ ہے، ہر انسان کے ساتھ ہے اور تم کہتی ہو کہ آسمان میں ہے!! آپ ﷺ اس لونڈی کے جواب میں سکوت فرماتے ہیں کیا یہ چیز

---

[1] مسلم (۴۲۹۹)　[2] مسلم (۱۱۹۹)

ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غلط جواب دیا جائے اور آپ خاموش رہ کر اس عورت کے جواب کی تائید فرمائیں، بلکہ آپ نے تو اس عورت کے ایمان کے متعلق گواہی دی کہ یہ مومنہ عورت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی غیر جانبدار ہوکر اس حدیث پر غور کرے گا تو یہ ایک حدیث اس کے عقیدہ کی اصلاح کے لئے کافی و شافی ہے۔ امام عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَفِی حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ ھٰذَا دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا لَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فِی السَّمَآءِ دُوْنَ الْاَرْضِ فَلَیْسَ بِمُؤْمِنٍ[1]

''اس حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر کوئی آدمی اس بات کا علم نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ زمین میں نہیں بلکہ آسمان پر ہے تو وہ مؤمن نہیں۔''

زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح

زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا جو کہ غلام تھے۔ بعد میں زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ سے ہوا۔ زینب رضی اللہ عنہا اس نکاح کی وجہ سے دوسری ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں۔ زینب رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں۔

زَوَّجَکُنَّ اَھَالِیْکُنَّ وَزَوَّجَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوٰتٍ[2]

''تمہارے نکاح تمہارے خاندان والوں نے کئے لیکن میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں سے اوپر کیا۔''

اس حدیث سے بھی اللہ تعالیٰ کا عرش عظیم پر مستوی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] الرد علی الجهمية: ۳۹

[2] بخاری (۷۴۲۰)

عرش پر کتاب کا ہونا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابٍ عِنْدَهُ: غَلَبَتْ اَوْ قَالَ سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي، قَالَ فَهِيَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ.[1]

"جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کا فیصلہ کیا تو ایک کتاب میں لکھا جو کہ اس کے پاس ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب آ گئی یا میری رحمت غصہ پر سبقت لے گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کتاب عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔"

مندرجہ بالا حدیث معمولی فرق کے ساتھ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔[2]

زیر بحث حدیث میں یہ الفاظ کہ "وہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش پر ہے۔" فیصلہ کن الفاظ ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کا انکار صرف وہ کر سکتا ہے جو یا تو متعصب ہو یا اس کے ذہن پر صوفیت کے گہرے اثرات ہوں۔

انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم عرفہ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: قیامت کے روز تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے بیشک اللہ کا دین ہم تک پہنچا دیا، رسالت کا حق ادا کر دیا اور امت کی خیر خواہی کی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی شہادت والی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] اخرجہ ابن حبان (۶۱۴۴)

[2] ملاحظہ کیجئے: بخاری رقم الحدیث (۳۱۹۴)

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ　　　اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ

اے اللہ گواہ رہ　　　اے اللہ گواہ رہ

آپ نے تین بار اس طرح فرمایا۔[1]

اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے علو اور فوقیت کا ثبوت ہے۔

ائمہ اربعہ کا عقیدہ

(۱) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ (المتوفی:۱۵۰ھ)

ابو مطیع الحکم بن عبداللہ البلخی صاحب ''الفقہ الاکبر'' روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرا رب آسمان میں ہے یا زمین میں۔ امام صاحب نے جواب دیا اس آدمی نے کفر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: '' اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى '' اور اس کا عرش آسمانوں سے اوپر ہے۔ میں نے کہا وہ شخص کہتا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ عرش آسمان میں ہے یا زمین میں۔

امام ابوحنیفہ نے جواب دیا: اگر اس نے عرش کے آسمان پر ہونے کا انکار کیا تو اس نے کفر کیا۔[2]

نوٹ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے واضح اور کھرے عقیدہ کے خلاف احناف حضرات نے استویٰ کی تاویل کرکے امام صاحب کی مخالفت کی ہے۔

علامہ ابن ابی العز حنفی (المتوفی: ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں:

> ''جو بھی خود کو ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرکے اس چیز کا (یعنی استواء علی العرش) کا انکار کرتا ہے، تو اس کی طرف التفات نہ کیا جائے

---

[1] مسلم (۲۹۵۰)

[2] مختصر العلو: ۱۳۶، شرح العقیدة الطحاویة: ۲۸۸، الحمویة الکبریٰ: ۲۸، اجتماع جیوش الاسلامیة ۶۵، الصواعق المرسلة: ۵۷۰، مجموعة الفتاویٰ: عبدالحی لکھنوی: ۴۰/۱

کیونکہ کافی گروہ معتزلہ وغیرہ خود کو ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن بہت سارے اعتقادی امور میں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔[1]

عصر حاضر میں دیوبندی حضرات جو کہ خود کو حنفی کہلواتے ہیں لیکن اعتقادی امور میں وہ امام ابوالحسن اشعری اور ابومنصور ماتریدی کے پیروکار ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید وہ صرف فروعی مسائل میں کرتے ہیں۔[2]

قابل غور بات ہے کہ موجودہ دور میں حنفی حضرات نے عقیدہ کے معاملہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کیوں نہیں کی؟ کیا ان کا عقیدہ درست نہ تھا؟ اگر درست تھا تو امام صاحب کی عقیدہ کے معاملہ میں پیروی کیوں نہیں کی گئی؟

(۲) امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۷۹ھ):

امام صاحب کا قول گزر چکا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر مستوی ہے لیکن کیفیت معلوم نہیں۔[3]

جس آدمی نے آپ سے کیفیت کے متعلق سوال کیا آپ نے اسے بدعتی قرار دیا اور اس شخص کو باہر نکالنے کا حکم دیا۔[4]

(۳) امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۰۴ھ):

میں اس طریقہ پر ہوں جس پر میں نے امام سفیان ثوری، امام مالک وغیرہما کو دیکھا وہ طریقہ ہے: اس شہادت کا اقرار کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے، آسمان میں، وہ اپنی مخلوق سے جس طرح چاہتا ہے قریب ہوتا ہے اور دنیا کے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔[5]

---

[1] شرح العقيدة الطحاوية: ۲۸۸

[2] عقائد علماء اهل سنت ديوبند ص ۲۹

[3] مختصر العلو: ص ۱۴۱

[4] الردد الجهمية: ۵۶، الاسمآء والصفات للبيهقي: ۱۵۰/۲)

[5] مختصر العلو: ص ۱۷۶

(۴) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ):

یوسف بن موسیٰ القطان کہتے ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان سے اوپر اپنے عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم ہر جگہ ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا:

''ہاں! وہ اپنے عرش پر ہے اور اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔''[1]

کیا اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ہے؟

کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے حاضر کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور گفتگو کے دوران عام طور پر کہتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حاضر ہے، واضح رہے کہ حاضر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں نہیں اور نہ ہی قرآن و حدیث میں یہ لفظ بطور اللہ کی صفت کے استعمال ہوا ہے۔ حاضر کے لفظ میں عجز اور انکساری کا پہلو ہے۔

گفتگو کے دوران عام طور لوگ کہتے رہتے ہیں کہ ''جناب میں حاضر ہوں'' اس قسم کے الفاظ دوسرے کے آگے عجز اور انکساری کا پہلو لئے ہوئے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ''متکبر'' ہے وہ عزیز اور قوی ہے۔ دوسرے سب اس کے محتاج ہیں لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں۔ عجز اور انکساری تو بندے کی علامت ہے معبود کی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے حاضر کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ ایسے مواقع بھی آئے کہ آپ اللہ کے لئے یہ لفظ استعمال کر سکتے تھے لیکن آپ نے ''حاضر'' کا لفظ اللہ کے لئے استعمال نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر میں تھے۔ سفر کے دوران صحابہ کرام جب بھی کسی اونچی جگہ پر چڑھتے تو ''لا الہ الا اللہ'' اور ''اللہ اکبر'' بلند آواز سے کہتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ فَاِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّهُ مَعَكُمْ اِنَّهُ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ[2]

---

[1] مختصر العلو: ص ۱۸۹ [2] بخاری (۲۹۹۲)

"اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو تم بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے یقیناً وہ تمہارے ساتھ ہے، بیشک وہ سننے والا اور قریب ہے۔"

اس حدیث پر غور فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بہرے کی ضد (Antonym) "سننے والا" بتائی۔ آپ ﷺ "غائب" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، جس کی ضد "حاضر" ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے حاضر کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ حالانکہ اس موقع پر آپ حاضر کا لفظ استعمال کر سکتے تھے، لیکن آپ نے بجائے حاضر کے، قریب کا لفظ استعمال فرمایا۔ ایک مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صرف وہی لفظ استعمال کرے جو قرآن و حدیث میں منقول ہو۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا عقیدہ

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: ۵۶۲ھ) جن کو پاکستان اور ہندوستان کے بریلوی حضرات "پیران پیر" اور دیگر القابات سے نوازتے ہیں، وہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ جہتِ علوّ میں ہے، عرش پر مستوی ہے، پورے جہان پر قابض ہے، اُس کے علم نے تمام اشیاء کا احاطہ کیا ہوا ہے۔"[1]

نیز لکھتے ہیں:

"وہ اپنی مخلوق کی مشابہت سے پاک اور منزّہ ہے۔ اُس کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ وصف بیان کرنا جائز نہیں کہ وہ ہر جگہ ہے بلکہ یہ کہا جائے وہ آسمان سے اوپر عرش پر ہے، کیونکہ اس نے خود فرمایا ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى اور یہ بھی فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ رسول اللہ ﷺ نے اُس لونڈی کے بارے میں مسلمان ہونے کا فیصلہ

---

[1] غنیۃ الطالبین: ۱/۵۴

دیا جب اُس سے پوچھا گیا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو اُس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔‘‘ [1]

شیخ عبدالقادر جیلانی کے عقائد اُن لوگوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہیں جو شیخ صاحب کے نام پر گیارہویں تو کرتے ہیں، انہیں ’دستگیر‘ اور ’غوث اعظم‘ تو قرار دیتے ہیں، لیکن شیخ صاحب کے عقائد کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں .....!! یہ کیسی محبت اور عقیدت ہے کہ جس سے محبت وعقیدت کے دعوے ہیں، اُس کی پیروی قبول نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہر جگہ موجودگی کا عقیدہ

الحمدللہ! قرآن، حدیث، صحابہ وسلف صالحین سے اِس بات کا ثبوت مل چکا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر مستوی ہے اور وہ اپنی مخلوق سے بائن (جدا) ہے۔ وہ عالم میں داخل نہیں۔ وہ عرش پر ہوتے ہوئے ہر چیز سے مطلع ہے۔ کائنات کی کوئی چیز، اُس سے مخفی نہیں۔ اس عقیدہ کے برعکس بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے اور ذات کے لحاظ سے سب انسانوں کے ساتھ ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’جس آدمی نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ بذاتہٖ ہر جگہ ہے وہ قرآن، سنت، اجماع سلف اور ائمہ کا مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے، ایسا آدمی اُس کا بھی مخالف ہے۔ بلکہ وہ صاف صاف عقل اور دلائلِ کثیرہ کا مخالف بھی ہے۔‘‘ [2]

اللہ کی شان وعظمت

ایک ذی فہم انسان کو سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت کس چیز میں

---

[1] غنیۃ الطالبین: ۱/۵۶   [2] الاسماء والصفات: ۱/۱۴

ہے۔ اس میں کہ وہ عرش پر ہوتے ہوئے فرش والوں کی تمام تر حاجات وضروریات کو جانتا ہے۔ ان کے دلوں میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں، اُن سے بھی آگاہ ہوتا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اُس سے مخفی نہیں یا اِس چیز میں کہ وہ دنیا کی ہر گندی اور ناپاک جگہ میں موجود ہو۔ جیسا کہ گمراہ فرقوں معتزلہ، حروریہ، جھمیہ کا خیال ہے۔ تعالی اللہ عن قولھم علوًا کبیرًا.[1]

ہر جگہ موجود ہونے میں قباحت

امام ابن خزیمۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ اور ہر انسان اور ہر مخلوق کے ساتھ ہوتا، جیسا کہ فرقہ معطلہ کا گمان ہے تو وہ ہر چیز پر تجلی فرماتا اور زمین میں جو کچھ ہے اُس پر بھی تجلی فرماتا اور زمین کے ہر حصہ یعنی نرم زمین ہو یا سخت، پہاڑ ہوں یا صحرا اور بیابان ہوں، شہر ہوں یا بستیاں، آبادی ہو یا غیر آباد علاقہ اور زمین میں جو کچھ نباتات ہے یا عمارتیں، ہر چیز ریزہ ریزہ ہوجاتی۔ جس طرح وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا جس پر اللہ نے تجلی فرمائی تھی۔''[2]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہم جھمیہ سے کہتے ہیں کہ تمہارے خیال میں اللہ تعالیٰ ہر جگہ میں ہے، کوئی مکان اُس سے خالی نہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں بتاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اُسے ریزہ ریزہ کردیا۔ تمہارے عقیدہ کے مطابق تو اللہ تعالیٰ اُس پہاڑ میں تھا تو پھر اس پر تجلی کیوں فرمائی؟ تمہارا عقیدہ ہے کہ اللہ ہر جگہ ہے اگر اللہ

---

[1] الابانة: ۱۲۱، محاسن التأویل: ۷/۱۰۹-۱۱۰، مختصر جامع بیان العلم وفضله ص۲۷۷، مختصر العلو ص۲۵۸

[2] کتاب التوحید: ۱۱۲

پہاڑ میں ہوتا تو وہ تجلی نہ فرماتا۔ بلکہ وہ عرش پر مستوی ہے اور ایسی چیز پر تجلی فرمائی جس میں وہ نہیں تھا اور پہاڑ نے بھی ایسی چیز دیکھی جو اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔"[1]

اللجنة الدائمة کا فتویٰ

سعودی عرب کے کبار علماء پر مشتمل کمیٹی کا فتویٰ ہے کہ جس آدمی کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے زمین میں ہے، وہ قرآن، سنت اور اجماع کا مخالف ہے اور یہ حلولیہ کا مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حلول کر گیا ہے۔ جس نے ایسی بات جہالت کی وجہ سے کہی تو اُس پر حکم واضح کر دیا جائے گا اگر پھر بھی وہ اپنے عقیدہ پر اصرار کرتا ہے یا اُس کا یہ عقیدہ جہالت کی بناء پر نہ تھا (یعنی شعوری طور پر سوچ سمجھ کر ایسا عقیدہ قائم کیا تھا) تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا منکر ہے اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز صحیح نہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ کی معیت

قرآن و حدیث کی تصریحات سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر مستوی ہے۔ جبکہ اُس کا علم اور قدرت ہر جگہ ہے۔ البتہ بعض لوگ قرآن کی چند آیات سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے ہر انسان کے ساتھ ہے:

۱- هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا[3]

وہ ان کے ساتھ ہے جہاں بھی ہوں۔

۲- وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ[4]

تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

---

[1] اجتماع جیوش الاسلامیة ص۱۰۷، محاسن التاویل: ۱۱۲/۷

[2] فتاویٰ اللجنة الدائمة: ۱۴۲/۳ [3] المجادلة: ۷ [4] الحدید: ۴

جواب: اولاً: قرآن کریم کی ان آیات سے استدلال صحیح نہیں یہ آیات مکمل اس طرح ہیں:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ [1]

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، اُس کو جانتا ہے۔ تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی (سرگوشی ہوتی ہے) مگر وہ اُن کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی، مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ جہاں کہیں وہ ہوں پھر انہیں قیامت کے روز بتادے گا جو کچھ وہ کرتے رہے۔ بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔''

اس آیت کو غور سے پڑھیں تو ہر چیز آپ پر واضح ہوجائے گی۔ اس آیت کے شروع میں بھی اللہ کے علم کا ذکر ہے اور آخر میں بھی اللہ کے علم کا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ ''اللہ معنا'' (اللہ ہمارے ساتھ ہے) اور دلیل کے طور پر وہ سورۃ مجادلہ کی مندرجہ بالا آیت پڑھتا ہے کہ ''تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے۔'' تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ یہ آدمی جہمی ہے۔ یہ لوگ آیت کے آخری حصہ کو تو لیتے ہیں، لیکن آیت کا ابتدائی حصہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اُسے آیت کا یہ حصہ پڑھ کر سناؤ: ''اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ'' (کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ جانتا ہے) یعنی یہاں ساتھ ہونے سے مراد ہے کہ اللہ کا علم ان کے ساتھ ہے۔ [2]

---

[1] المجادلة: ۷

[2] مختصر العلو: ص ۱۹۰

سلف کی تفسیر

ثانیاً: سلف صالحین کی اجماعی تفسیر یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ ہونے سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے۔ اس آیت کا یہ مقصد نہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے ہر جگہ اور ہر آدمی کے ساتھ ہے۔ سلف میں سے کوئی امام اس عقیدہ کا قائل نہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سلف سے یہ چیز ثابت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کا علم اُن کے ساتھ ہے۔ ابن عبدالبر اور دوسروں نے ذکر کیا ہے کہ اس بات پر صحابہ کرام اور تابعین کرام کا اجماع ہے اور اس معاملہ میں کسی نے بھی، جس کے قول کا اعتبار ہو اُن کی مخالفت نہیں کی۔" [1]

مشہور حنفی عالم مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

"معیت سے مراد (جیسا کہ اجماع مفسرین ہے) علم وغیرہ ہے نہ کہ نفسِ ذات۔" [2]

ثالثاً: سلف سے خلف تک مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا علم اُن کے ساتھ ہے نہ کہ ذات۔

☆ مشہور تابعی ضحاک بن مزاحم (المتوفی: ١٠٦ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

هُوَ عَلَى الْعَرْشِ وَعِلْمُهُ مَعَهُمْ [3]

"اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اُس کا علم اُن کے ساتھ ہے۔"

☆ مقاتل بن حیان (المتوفی: قبل ١٥٠ھ) نے بھی اِس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے کہ:

---

[1] شرح حدیث النزول: ٣٥٦، التمہید: ٣٤٦/٣، مختصر العلو: ٢٦٨

[2] مجموعة الفتاوی: ٥٨/١

[3] کتاب السنة: ٣٠٤/١، الشریعة للآجری: ٢٥٦

"اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اُس کا علم اُن کے ساتھ ہے۔"[1]

☆ امام سفیان ثوری (المتوفی: ١٦١ھ) سے پوچھا گیا کہ قرآن کی آیت "وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ" (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔) کا معنی کیا ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا:

عِلْمُهٗ[2]

"یعنی اللہ کا علم تمہارے ساتھ ہے۔"

☆ امام نُعیم بن حماد سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: "هُوَ مَعَكُمْ" (وہ تمہارے ساتھ ہے) کے کیا معنی ہیں؟ تو امام صاحب نے جواب دیا:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ کا فرمان ہے: مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ"[3]

☆ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

اِنَّهٗ مُشَاهِدُهُمْ بِعِلْمِهٖ وَهُوَ عَلٰى عَرْشِهٖ[4]

"وہ عرش پر ہوتے ہوئے اپنے علم سے اُن کا مشاہدہ کر رہا ہے۔"

☆ امام آجری (المتوفی: ٣٦٠ھ) فرماتے ہیں:

"اگر کہنے والا پوچھے کہ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ کے معنی کیا ہیں؟ اُس سے کہا جائے گا: اس سے مراد اللہ کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اُس کا علم ان کا اور مخلوق میں سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اہل علم نے اسی طرح تفسیر کی ہے۔ اس آیت کا ابتدائی حصہ اور آخری حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد علم ہے۔"

---

[1] مختصر العلو: ١٣٨
[2] الشریعة: ٢٥٦، مختصر العلو: ١٣٩
[3] مختصر العلو: ١٨٤
[4] تفسیر طبری: ١٢/١٣

امام صاحب مزید لکھتے ہیں:

"اللہ کی تمام مخلوقات کا احاطہ اللہ نے اپنے علم سے کیا ہوا ہے اور وہ عرش پر ہے یہ مسلمانوں کا قول ہے۔"[1]

☆ امام علی بن مدینی (المتوفی: ۲۳۴ھ) سے آیت ما یکون من نجوی من ثلاثة الا ھو رابعھم کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب دیا:

"ان الفاظ سے قبل کی قرأت کرو الم تر ان اللہ یعلم (کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ جانتا ہے۔)"[2]

امام صاحب کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس سے مراد اللہ کا علم ہے۔

☆ امام احمد بن حنبل، ابن قتیبة، ابن ابی شیبہ، ابن بطہ، اللالکائی، ابو عمر الطلمنکی وغیرہم سے بھی یہی معنی منقول ہے۔[3]

☆ حافظ ابن کثیر (المتوفی: ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"کئی ایک مفسرین نے اجماع نقل کیا ہے کہ آیت میں معیت سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے، اُس کے علم کے ساتھ اُس کی سمع بھی اُن کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اُس کی بصر اُن تک پہنچی ہوئی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر مطلع ہے، ان کے معاملات میں سے کوئی بھی چیز اُس سے غائب نہیں۔ پھر اللہ نے فرمایا:

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞[4]

(پھر قیامت کے دن اُن کو ان کے اعمال کی خبر دے گا بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔)"

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

---

[1] الشریعة: ۲۵۶

[2] مختصر العلو: ۱۸۹

[3] تفصیل کے لئے دیکھئے: مختصر العلو للذھبی   [4] المجادلہ: ۷

"اللہ تعالیٰ نے آیت کی ابتدا بھی اپنے علم کے بیان سے کی اور انتہا بھی۔"[1]

بریلوی علماء کی تفسیر

رابعاً: موجودہ دور کے بریلوی حضرات، جو حنفی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، اُن کی تفسیر بھی یہی ہے کہ اِن آیات سے مراد اللہ کا علم ہے۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں کہ:

"وہ عرش پر بھی جلوہ فرما ہے اور تم سے بھی الگ اور بے تعلق نہیں۔ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ اپنے علم اور قدرت سے تمہارا احاطہ کئے ہوئے ہے۔"[2]

مولوی محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

"وہ تمہارے ساتھ ہے، اپنے علم و قدرت کے ساتھ عموماً اور فضل و رحمت کے ساتھ خصوصاً۔"[3]

قرآن کریم میں معیت کے مختلف معنی

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت دو طرح سے ہے:

۱- **معیت عامہ**: فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ[4]

"اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔"

هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا[5]

"وہ اُن کے ساتھ ہے جہاں بھی وہ ہوں۔"

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۱۳ [2] ضیاء القرآن: ۵/۱۰۹
[3] خزائن العرفان: ۹۶۷ [4] الحدید: ۴ [5] المجادلة: ۷

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب کے ساتھ ہے اور مسلمان یا غیر مسلمان، نیکوکار یا بدکار کا کوئی فرق نہیں۔ وہ عرش پر ہوتے ہوئے اپنی مخلوق کا اپنے علم کے ساتھ احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حالات اور تمام معاملات کو جانتا ہے۔ ''وہ تمہارے ساتھ ہے'' کا معنی یہ نہیں کہ وہ اُن کے گھروں میں، اُن کے غسل خانوں میں یا دیگر مقامات پر اُن کے ساتھ مختلط ہے، وہ اُن سے ملا ہوا ہے۔ معیت (ساتھ ہونے) کے یہ معنی بیان کرنا کہ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ اپنی ذات کے ساتھ مختلط ہے تو یہ ان حلولیوں کا عقیدہ ہے، جن کا یہ گمان ہے کہ ان کا معبود اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مستویٔ عرش ہونے کا انکار کرتے ہیں اور اُس کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے بلند ہونے کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، لیکن یہ گندہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ہر جگہ چاہے وہ غلیظ کیوں نہ ہو، موجود ہے۔

عربی میں ''مع'' کا لفظ صرف ذاتی طور پر اکٹھے ہونے کے لئے نہیں بولا جاتا۔ دیکھئے: عرب سفر کرتے ہوئے کہتے تھے:

مَا زِلْنَا نَسِيْرُ وَالْقَمَرُ مَعَنَا [1]

''ہم سفر کرتے رہتے تھے اور چاند ہمارے ساتھ ہوتا تھا۔''

جب کوئی آدمی یہ بات کہتا ہے تو اسے تناقض نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ سب کو معلوم ہے مسافر زمین پر چل رہا ہوتا ہے اور چاند اُس کے ساتھ زمین پر نہیں ہوتا، بلکہ آسمان میں ہوتا ہے۔ جب یہ چیز چاند جیسی چھوٹی مخلوق کے حق میں جائز ہے کہ وہ بلند بھی ہو اور ساتھ بھی ہو تو پھر خالق کائنات کی مثال تو بہت بلند ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی. معیت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ یہ حق ہے جس طرح اللہ کے شان کے لائق ہے۔ اِس طرح نہیں جس طرح مخلوق مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے۔ ہم بغیر تشبیہ کے اس پر ایمان لاتے ہیں۔

---

[1] الاسماء والصفات لابن تیمیۃ: ۸۱/۲، العقیدۃ الواسطیۃ: ۸۹، القواعد المثلی: ۳۰۵

اللہ تعالیٰ کی معیت کا تقاضا ہے کہ اُس نے اپنی مخلوق کا علم، قدرت، سمع، بصر اور تدبیر سے احاطہ کیا ہوا ہے۔

۲- معیت خاصہ: فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ [۱]

''بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

معلوم ہوا کہ وہ بے صبروں کے ساتھ نہیں۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ [۲]

''بیشک اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

یعنی بدکاروں کے ساتھ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا [۳]

''غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

یعنی جو غار کے دہانے پر کھڑے ہوئے تھے ان کے ساتھ نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا:

اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ [۴]

''بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔''

یعنی وہ بنی اسرائیل اور فرعون کے ساتھ نہیں تھا۔ قرآن کی کچھ آیات تو یہ کہتی ہیں کہ اللہ ہر ایک کے ساتھ ہے اور دوسرے قسم کی آیات بتاتی ہیں کہ وہ ہر ایک کے ساتھ نہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں تطبیق کس طرح دی جائے گی؟ بظاہر تو ان میں اختلاف نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دو قسم کی آیات میں کوئی اختلاف نہیں۔

---

[۱] البقرۃ: ۱۵۳ — [۲] العنکبوت: ۶۹

[۳] التوبۃ: ۴۰ — [۴] الشعراء: ۶۲

پہلی قسم کی آیات کا مقصد ہے کہ اُس کا علم ہر ایک کے ساتھ ہے، وہ سب پر قدرت رکھتا ہے۔ کوئی چیز اُس سے غائب نہیں، جبکہ دوسری قسم کی آیات کا محل یہ ہے کہ تائید، نصرت، مدد کے لحاظ سے وہ صرف انبیاء اور مومنین کے ساتھ ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ [۱]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''

کیا کوئی ''سچوں کے ساتھ ہو جاؤ'' کا مقصد یہ لے گا کہ گھر میں، بازار میں، غرض ہر جگہ ان کے ساتھ ساتھ پھرو، بلکہ یہی معنی لئے جائیں گے کہ سچوں کا طریقہ اور راہ اختیار کرو۔

معلوم ہوا کہ معیت کے کئی معنی ہیں۔ اس لئے وہی معنی لئے جائیں گے جو قرآن و حدیث، سلف صالحین کی تفسیر اور سیاق و سباق کے مطابق ہوں گے۔ اس لئے ''وھو معکم'' یا ''وھو معھم'' سے مراد ذاتی طور پر ساتھ ہونا نہیں بلکہ علم کے لحاظ سے ساتھ ہونا مراد ہے۔ واضح رہے کہ یہ تفسیر تاویل بھی نہیں کیونکہ یہ صرف اللفظ عن الظاہر نہیں بلکہ یہی معیت کا عُرفی و شرعی معنی ہے۔ [۲]

نوٹ: مشہور بریلوی عالم پیر کرم شاہ الازہری نے بھی معیت کے مختلف معنی بیان کئے ہیں۔ [۳]

اقوال سلف اور معیتِ علم

☆ امام مالک رحمہ اللہ:

اللہ عزوجل فی السماء وعلمه فی کل مکان، لا یخلو من علمه مکان [۴]

---

[۱] التوبة: ۱۱۹

[۲] توحید خالص سید بدیع الدین شاہ ص ۲۸۷، التنبیهات ص ۲۶، ذم التأویل لابن قدامة ص ۵۸۰

[۳] ضیاء القرآن: ۲/۲۱۲-۲۱۳ [۴] الشریعة: ۲۵۶، مختصر العلو: ۱۴۰

''اللہ عزوجل آسمان میں ہے اور اُس کا علم ہر جگہ ہے اُس کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں۔''

☆ امام اسحاق بن راھویہ:

اجماع اهل العلم انهٗ فوق العرش استوی ویعلم کل شیء فی اسفل الارض السابعة[۱]

''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور وہ ساتویں زمین کی تہہ تک ہر چیز کو جانتا ہے۔''

☆ امام احمد بن حنبل:

هو علی عرشه ولا یخلوا شیء من علمه[۲]

''اللہ عرش پر ہے اور کوئی چیز اُس کے علم سے باہر نہیں۔''

☆ امام ابونصر سجزی لکھتے ہیں:

''ہمارے ائمہ، سفیان ثوری، مالک، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، سفیان بن عیینہ، فضیل بن عیاض، عبداللہ بن مبارک، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ سے عرش پر ہے اور اُس کا علم ہر جگہ ہے۔''[۳]

☆ امام عثمان بن سعید الدارمی لکھتے ہیں:

''مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ آسمانوں سے اوپر عرش پر ہے اور وہ عرش پر ہوتے ہوئے جانتا بھی ہے اور سُنتا بھی ہے، مخلوق کی کوئی بات اُس سے مخفی نہیں۔''[۴]

---

۱ مختصر العلو: ۱۹۴

۲ مختصر العلو: ۱۸۹

۳ مختصر العلو: ۲۶۶

۴ مختصر العلو: ۲۱۳، مختصر الصواعق المرسلة: ص ۵۷۲

☆ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جھمیہ کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور سلف کہتے ہیں اللہ کا علم ہر جگہ ہے اور وہ عرش پر مستوی ہے، جیسا کہ قرآن و حدیث اس بات پر ناطق ہیں۔''[1]

☆ امام ابوالقاسم اللالکائی:

''ہم کہتے ہیں کہ وہ ذات کے لحاظ سے عرش پر ہے اور اُس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔''[2]

امام ذھلی،[3] ابو زرعہ،[4] یحییٰ بن معاذ رازی،[5] عبدالوہاب الوراق،[6] ابن قتیبہ،[7] حافظ البوشنجی،[8] ابو محمد البربھاری،[9] ابن سفیان،[10] ابن ابی زید،[11] ابو نعیم الاصبہانی،[12] ابن موہب۔[13]

ان سب ائمہ رحمہم اللہ سے امام ذہبی نے نقل کیا ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مستوی عرش ہے اور اُس کا علم ہر جگہ ہے۔

امام ابن خزیمۃ کا فیصلہ

امام محمد بن اسحاق بن خزیمۃ تو اس معاملہ میں اتنے سخت ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ جو آدمی اللہ کے سات آسمانوں سے اوپر عرش پر مستوی ہونے کا اقرار نہیں کرتا، اُس سے توبہ کرائی جائے اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اُس کی گردن اُڑا دی جائے اور اُس کی لاش کو کوڑے کرکٹ پر ڈال دیا جائے جہاں مسلمان اور ذمی اُس کی لاش کی

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۷/۲۱۶
[2] مختصر العلو: ۲۶۳
[3] مختصر العلو: ۲۰۱
[4] مختصر العلو: ۲۰۳
[5] مختصر العلو: ۲۰۸
[6] مختصر العلو: ۲۱۲
[7] مختصر العلو: ۲۱۶
[8] مختصر العلو: ۲۲۵
[9] مختصر العلو: ۲۴۴
[10] مختصر العلو: ۲۵۲
[11] مختصر العلو: ۲۵۵
[12] مختصر العلو: ۲۶۱
[13] مختصر العلو: ۲۸۴

بدبو سے تکلیف محسوس نہ کریں۔ اُس کا مال فئ ہے، کوئی مسلمان اُس کا وارث نہ ہوگا، کیونکہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔[1]

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"آسمانِ دنیا اور دوسرے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور کرسی اور پانی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ والعرش علی الماء واللہ تعالیٰ فوق العرش وهو یعلم ما انتم علیه. عرش پانی پر ہے اور اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اور تم جس حال میں بھی ہو وہ جانتا ہے۔"[2]

اگرچہ یہ روایت موقوف ہے، لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ اس قسم کی بات صحابی محض اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی آدمی غیر جانبدار ہوکر اس روایت پر غور کرے تو انشاء اللہ اُس کے ذہن سے سارے شکوک وشبہات دور ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے مستویٔ عرش ہونے پر اُس کا ایمان مضبوط اور پکا ہوجائے گا۔

حنفی حضرات کہتے ہیں کہ فقہ کا بیج عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا۔[3] کیا وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو قبول کریں گے؟

شاہ رگ سے زیادہ قریب

بعض لوگ قرآن کریم کی آیت

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ[4]

"اور ہم اُس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔"

---

[1] معرفة العلوم الحدیث للحاکم: ۸۴
[2] الرد علی الجهمیة: ۲۶، والطبرانی فی الکبیر: ۲۲۸/۹ واسناده حسن
[3] در المختار: ۳۷/۱ [4] ق: ۱۶

سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات (نعوذ باللہ) ہر انسان کے اندر حلول کر گئی ہے اور اللہ ہر انسان کے اندر موجود ہے۔

جواب: اولاً: عام طور مفسرین نے اس آیت کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کے لحاظ سے شاہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اس قرب سے مراد قرب مکانی نہیں۔ اِس قرب سے مراد حلول و اتحاد بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اِس سے پاک ہے۔ قرآن و سنت کے قطعی دلائل اس بات پر گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ اپنی مخلوق سے جدا اور بلند ہے لیکن اُس کا علم ہر جگہ ہے۔ قدیم اور جدید مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے، ذیل میں ہم ان عبارات کو پیش کرتے ہیں۔

☆ **ابن جریر طبری** لکھتے ہیں:

"بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ ہم اس کے زیادہ مالک ہیں اور قدرت میں اس کے بہت قریب ہیں۔ دوسرے کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: اس کے دل میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں تو ہم علم کے لحاظ سے اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں یعنی اُن کو جانتے ہیں۔"[1]

☆ **امام قرطبی:**

"یہاں قرب سے مراد علم و قدرت کا قرب ہے۔"[2]

☆ **علامہ نسفی:**

"یہاں قرب سے مراد اللہ کا علم ہے۔"[3]

☆ **علامہ زمخشری:**

"یہاں قرب سے مراد اللہ کا علم ہے۔"[4]

---

[1] تفسیر الطبری: ۴۱۵/۱۱

[2] تفسیر قرطبی: ۸/۱۷

[3] تفسیر النسفی: ۱۶۸۹/۳

[4] الکشاف: ۳۸۳/۴

☆ امام رازی:

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا بیان ہے۔"[۱]

☆ امام ابن جوزی:

"اور ہم اُس کے قریب ہیں، اُس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ یعنی علم کے لحاظ سے۔"[۲]

☆ امام شوکانی:

"اس کے بعد اللہ نے ذکر فرمایا کہ وہ اس کے ساتھ ہے اپنے علم سے۔"[۳]

ان کے علاوہ امام بغوی،[۴] امام بیضاوی،[۵] علامہ قاسمی،[۶] علامہ آلوسی[۷] نے بھی یہی معنی ذکر کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علم کے لحاظ سے انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

مشہور شیعہ عالم علامہ طبرسی نے بھی قرب سے مراد علم لیا ہے۔[۸] عصر قریب کے علماء میں سے علامہ شبیر احمد عثمانی،[۹] مولانا امین احسن اصلاحی،[۱۰] سید ابوالاعلیٰ مودودی،[۱۱] علامہ سید امیر علی[۱۲] نے بھی یہی معنیٰ کئے ہیں۔

مشہور بریلوی عالم محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

"یہ کمالِ علم کا بیان ہے کہ ہم بندے کے حال کو خود اُس سے زیادہ جاننے والے ہیں۔"[۱۳]

شیخ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ رقم طراز ہیں:

"اس قُرب سے مراد قُربِ علمی ہے یعنی علم کے لحاظ سے ہم انسان کے بالکل بلکہ اتنے قریب ہیں کہ اس کے نفس کی باتوں کو بھی جانتے ہیں۔"[۱۴]

قارئین! ان تمام تصریحات کے باوجود اگر کوئی آدمی قرآن کی اس آیت سے یہ

---

۱ التفسیر الکبیر: ۲۸/۱۴۰
۲ زاد المسیر: ۸/۹
۳ فتح القدیر: ۵/۸۶
۴ معالم التنزیل: ۴/۲۲۲
۵ تفسیر البیضاوی: ۲/۴۲۲
۶ محاسن التاویل ۱۵/۱۵۸
۷ روح المعانی: ۲۶/۱۷۸
۸ مجمع البیان: ۹/۲۱۳
۹ تفسیر عثمانی: ۸۸۷
۱۰ تدبر قرآن: ۷/۵۴۶
۱۱ تفہیم القرآن: ۵/۱۱۶
۱۲ مواہب الرحمٰن: ۸/۲۳۳-۲۳۴
۱۳ خزائن العرفان: ۹۳۴
۱۴ احسن البیان: ۱۲۱۶

مقصد نکالتا ہے کہ اللہ ہر انسان کے اندر یا ہر جگہ ہے تو وہ راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور تفسیر بالرائی کا مجرم ہے۔

ثانیاً: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اللہ کے فرشتے انسان کی شاہ رگ سے بھی اُس کے زیادہ قریب ہیں۔[1]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی یہی معنی بیان فرمائے ہیں۔[2]

عقیدہ علوّ کا فائدہ

جب بندہ کو اس بات کا یقین ہوجائے کہ میرا مالک اور پروردگار اوپر ہے، ہر مخلوق سے بلند، کوئی چیز اس سے بلند نہیں تو اُس وقت اُس کے دل میں یکسوئی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اُسے اپنے پروردگار سے تعلق جوڑنے میں کوئی رکاوٹ اور پریشانی نہیں ہوتی۔ اُس کے برعکس جس آدمی کو یہ پتہ ہی نہیں کہ میرا رب کہاں ہے تو ایسے آدمی کا دل ہمیشہ منتشر اور بے چین رہتا ہے۔ اُس کا دل ہر وجود میں اٹک جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ وحدۃ الوجود جیسے گندے نظریات میں پھنس جاتا ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح عقیدہ پر زندہ رکھے اور اُسی پر ہماری موت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و حدیث پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ضد، عناد اور تعصب سے محفوظ رکھے۔

واللہ ولی التوفیق

الفقیر الی اللہ

ابو زید عبدالحفیظ سموں

بدین

۲۲ ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ - ۲۳-۲-۲۰۰۳ء

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳۴۵/۴ [2] شرح حدیث النزول: ۳۵۵
مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: توحید خالص: ۳۱۵-۳۲۱ مصنفہ سید بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ

[3] طریق الهجرتین لابن القیم: ۲۱

ہماری چند نئی مطبوعات

مکتبۃ الدعوۃ السلفیۃ

میمن کالونی، ٹیاری ضلع حیدرآباد، سندھ۔